تحقیقی مقالہ برائے ایم۔ایس۔اُردو

کشور ناہید کی نوٹ بک کا تنقیدی تجزیہ کلامیہ

محقق:

عمارہ حبیب

229-FLL/MSURDU/F19

نگران:

ڈاکٹر صباحت مشتاق

لیکچرر، شعبۂ اُردو (خواتین)

International Islamic Univ.
CENTRAL
LIBRARY
ISLAMABAD

شعبۂ اردو

بین الاقوامی اسلامی یونی ورسٹی، اسلام آباد

Accession No. 92 8 5585

MS
491.43904
ع م ک

اردو زبان - کلامیہ تجزیہ

تحقیق و تنقید

بسم الله الرحمن الرحيم

ACCEPTANCE BY THE VIVA VOCE COMMITTEE

Name of the Student: **AMARA HABIB**

Title of the Thesis. کشور ناہید کی نوٹ بک کا تنقیدی تجزیہ کلامیہ

Registration No: **229-FLL/MSURD/F19**

Accepted by the Department of Urdu, Faculty of Languages & Literature, International Islamic University, Islamabad, in partial fulfillment of the requirements for the Master of Philosophy degree in Urdu.

VIVA VOCE COMMITTEE

Chairperson Viva Committee:

Dr. Kamran Abbas Kazmi
Chairperson
Department of Urdu
Islamabad

External Examiner:

Dr. Saeed Ahmad
Associate Professor
IMCB, F-8/4,
Islamabad

Internal Examiner:

Dr. Saira Batool
Assistant Professor
Department of Urdu, IIUI,
Islamabad

Supervisor:

Dr. Sabahat Mushtaq
Lecturer
Department of Urdu, IIUI
Islamabad

E-Stamp ID : PB-RWP-37265AA0058A4CF0
Stamp Type : Low Denomination
Amount : Rs 100/-

Description :	AFFIDAVIT - 4
Applicant :	AMARA HABIB[37203 [illegible]]
D/O :	HABIB UR REHMAN
Address :	H.NO.B-129,ST NO.10 SHAH [illegible]
Issue Date :	12-Jun-2022 8:12:27 PM
Delisted On/Validity :	19-Jun-2022
Amount in Words :	One Hundred Rupees Only
Reason :	AFFIDAVIT
Vendor Information :	Syed Zamin Raza Rizvi | PB-RWP-52A | [illegible]

12-06-22

نوٹ یہ ٹرانزیکشن تاریخ اجرا سے سات دنوں تک کے لیے قابل استعمال ہے۔

بیان حلفی

منکہ مسماۃ عمارہ حبیب دختر حبیب الرحمن رجسٹریشن نمبر 229-FLL/MSURDU/F19 حلفاً بیان دیتی ہوں کہ میں نے اپنا تحقیقی مقالہ بعنوان کشور ناہید کی نوٹ بک کا تنقیدی تجزیہ کلامیہ) برائے حصول سند ایم ایس ڈاکٹر صباحت مشتاق کی زیر نگرانی میں بذات خود محنت سے تحریر کیا ہے۔ یہ مقالہ سرقے سے پاک ہے اور اس میں تنقید و تحقیق کے اصولوں کو مد نظر رکھا گیا ہے۔ نیز اس سے پہلے یہ کسی جامعہ میں برائے حصول سند پیش نہیں کیا گیا، اس میں شامل تمام حوالہ جات کا اسناد موجود کی ذمہ دار ہوں۔ مندرجہ بالا میں جو کچھ کہا گیا ہے میرے علم کے مطابق بالکل صحیح و درست ہے اور اس میں کوئی بات پوشیدہ نہیں رکھی گئی۔

المرقوم 10-6-2022

گواہ: نعمان یعقوب (رشتہ دار)
دستخط: ________

نام: نعمان یعقوب
والد کا نام: یعقوب خان
CNIC: 37406-3561378-7

دستخط: ________
نام: عمارہ حبیب
والد کا نام: حبیب الرحمن
37203-[illegible] ATTESTED

12-06-22

الجامعة الإسلامية العالمية

بین الاقوامی اسلامی یونیورسٹی، اسلام آباد

شعبہ اُردو

تصدیق نامہ

تصدیق کی جاتی ہے کہ عمارہ حبیب رجسٹریشن نمبر 229-FLL/MSURDU/F19 نے ایم۔ایس۔اُردو کی ڈگری کی تکمیل کے لیے تحقیقی مقالہ بعنوان **"کشور ناہید کی نوٹ بک کا تنقیدی تجزیہ کلامیہ"** میری نگرانی میں رقم کیا ہے۔میں تصدیق کرتی ہوں کہ اس موضوع پر اس سے پہلے کہیں کام نہیں ہوااور یہ کام سرقے سے پاک ہے۔

نگران: ڈاکٹر صباحت مشتاق

لیکچرر، شعبہ اُردو(خواتین)

پیش لفظ

ایم فل کا کورس ورک مکمل ہونے کے بعد پہلی چیز میرے لیے پریشانی کا باعث بنی وہ موضوع کا انتخاب تھا۔ اردو ادب میں افسانوی اور غیر افسانوی نثر دونوں میں کافی کام ہو چکا ہے اور شاعری سے مجھے کوئی دل چسپی نہیں۔ بہت سوچ و بچار کے بعد میں نے لسانیات کے بارے میں سوچا، مغربی ممالک میں لسانیات کے حوالے سے کافی کام دیکھنے کو ملا، جب کہ اردو میں اب لسانیات کے حوالے سے کام شروع ہو رہا ہے۔ موضوع کے انتخاب کے دوران میں نے اپنے اساتذہ سے مشورہ کیا۔ اپنی دل چسپی اور اساتذہ کی رائے کو مد نظر رکھتے ہوئے ڈسکورس اینالسز (تجزیہ کلامیہ) کی تھیوری منتخب کی اور ڈاکٹر صباحت مشتاق کی نگرانی میں کشور ناہید کی آپ بیتی "کشور ناہید کی نوٹ بک" کا ڈسکورس اینالسز (تجزیہ کلامیہ) کرنے کا ارادہ کیا جس پر ابھی تک کوئی کام سامنے نہیں آیا۔ موضوع کے انتخاب کے بعد مواد کی تلاش ایک مشکل مرحلہ تھا میرا انتخبہ فریم ورک چوں کہ انگریزی تھا اور اس پر تمام مواد انگریزی میں ہی تھا جس کے لیے انگریزی متن کا مطالعہ اور اردو ترجمہ کرنا اور سمجھنا بلاشبہ ایک محنت طلب کام تھا بہر حال دورانِ تحقیق میرے لیے ایک مشکل مرحلہ تھا جو اساتذہ اور دوستوں کی مدد سے آسان ہو گیا۔

مقالے کی تکمیل کے بعد میں اپنے رب کی شکر گزار ہوں جس نے مجھے ہمت دی اور مشکلوں کو میرے لیے آسان کیا۔ خالق کے ہاں سجدہ شکر کے بعد میں ڈاکٹر صباحت مشتاق کی بہت شکر گزار ہوں جنھوں نے اس مقالے کے ابتدائی مراحل تا تکمیل تک میری رہنمائی کی انھوں نے صرف رسمی اور روایتی انداز میں میری رہنمائی نہیں کی بلکہ مجھے تحقیق کی نکتہ آفرینیوں، تقابلی مطالعے کے اصول و ضوابط اور اسلوب بیان کی کئی باریکیوں سے آگاہ کیا۔ انھوں نے جس طرح میری رہنمائی کی مجھے اپنا قیمتی وقت دیا اس کے لیے میں ان کی مشکور رہوں گی۔

اس کے علاوہ میں اپنے شعبہ اردو کے تمام اساتذہ کا شکریہ ادا کرنا چاہتی ہوں جن کی شفقت اور رہنمائی میرے ساتھ ساتھ رہی۔ خاص طور پر میں اپنے والدین کا شکریہ ادا کرنا چاہتی ہوں جنھوں نے اعلیٰ تعلیم کے حصول کے لیے نہ صرف میری حوصلہ افزائی کی بلکہ اس سلسلے میں آنے والی ہر رکاوٹ کو ممکن حد تک دور کرنے کی کوشش کی۔ میری اس کامیابی کے پیچھے میرے والدین کی دعائیں شامل ہیں۔

میں اپنے شوہر نعمان یعقوب کی بھی شکر گذار ہوں جنھوں نے ہمیشہ میری ہمت بندھائی اور مجھ پر اعتماد بنایا۔ ان کے ساتھ اور حوصلہ افزائی کی بدولت میں اس مقالے کو مکمل کر پائی۔ میں ان تمام لوگوں کی بھی شکر گذار ہوں جو دورانِ تحقیق کسی نہ کسی حوالے سے میرے مدد گار رہے۔

عمارہ حبیب

مئی ۲۰۲۲ء

فہرست موضوعات

نمبر شمار	عنوانات	صفحہ نمبر
	پیش لفظ	
۱۔	باب اوّل:	
	تجزیہ کلامیہ، نظریاتی مباحث اور تفہیم	۱
	حوالہ جات	۱۹
۲۔	باب دوم:	
	کشور ناہید: تعارفی مطالعہ	۲۲
	حوالہ جات	۴۴
۳۔	باب سوم:	
	آپ بیتی کشور ناہید کی نوٹ بک کا لسانی و غیر لسانی تجزیہ کلامیہ	۴۶
	حوالہ جات	۷۷
۴۔	باب چہارم:	
	تجربی تنقیدی تجزیہ کلامیہ	۸۲
	حوالہ جات	۱۱۴
	ماحصل	۱۱۷
	کتابیات	۱۲۰

بابِ اوّل:

تجزیہ کلامیہ، نظریاتی مباحث اور تفہیم

باب اوّل:

تجزیہ کلامیہ، نظریاتی مباحث اور تفہیم

تنقیدی تجزیہ کلامیہ: تعارف:

ڈسکورس اینالسز (Discourse Analysis) تجزیہ کلامیہ اکیسویں صدی کا وہ اہم نظریہ ہے جس کے توسط سے کوئی بھی ریاست اپنے آپ کو ترقی کی راہ پر لا سکتی ہے۔ مغربی مفکرین نے لسانیات کے اس موضوع کو کرہ ارض پر ہتھیار کی طرح استعمال کیا ہے۔ علم تجزیہ کلامیہ کی مدد سے کسی بھی تحریر اور تقریر پر نئے مباحث کو آسانی سے سامنے لایا جا سکتا ہے۔ اس نظریے کا اطلاق تحریری اور زبانی پہلوؤں کے ساتھ ساتھ رابطے کے غیر زبانی پہلوؤں پر بھی کیا جا سکتا ہے۔ اس نظریے کی تمام تر توجہ زبان اور اس کے تخلیقی اظہار کی طرف ہوتی ہے۔ جیسے سر الیزبتھ۔ سی ٹروگاٹ (Elizabeth C.Traugott) نے کلامیہ کی تعریف کو ان الفاظ میں بیان کیا ہے۔

> Any structured stretch of language that is no longer then sentences.[1]

اس موضوع پر ماضی کی نسبت عہد حاضر میں کافی کام دیکھنے میں میں آ رہا ہے، لسانیات کے تغیر کے ساتھ ساتھ ڈسکورس بھی عام ہوتا چلا گیا، اس مضمون پر وقتاً فوقتاً تجزیے بھی پیش کیے گئے اور نظریاتی طور پر بھی بحث کا آغاز ہوا اور اب تک ڈسکورس کے موضوع پر کئی مضمون اور کتابیں منظر عام پر آ چکی ہیں۔ ڈسکورس اینالسز کی اصطلاح کے لیے بہت سے ماہرین لسانیات مختلف اصطلاحوں کا استعمال کرتے ہیں۔ جب کہ بہت سے ماہرین لسانیات ڈسکورس کے لیے "بحث یا مکالمہ" کے معانی استعمال کرتے ہیں۔ اگر بغور مطالعہ کیا جائے تو یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ "بحث یا مکالمہ" کے اپنے الگ معنی اور مفہوم ہیں۔ لفظ ڈسکورس کے لیے "کلامیہ، خطابت اور بیانیہ کے الفاظ بھی استعمال ہوتے ہیں۔[2] کرٹیکل ڈسکورس اینالسز کے لیے "تنقیدی تجزیہ کلامیہ" کی اصطلاح استعمال کی جاتی ہے۔

تنقیدی تجزیہ کلامیہ اطلاقی لسانیات کی ایک شاخ ہے۔ لسانیات زبان کے سائنسی مطالعے کا نام ہے اور لسانیات کا ایک شعبہ اطلاقی لسانیات سے تعلق رکھتا ہے۔ اطلاقی لسانیات ایسے اصول اور تکنیک وضع کرتا ہے، جن کے تحت لسانیات کے نظریاتی مباحث کا استعمال کیا جائے، اطلاقی لسانیات کے دائرہ کار کا اطلاق دوسرے تمام علوم پر بھی ہوتا ہے جن میں عمرانیات، نفسیات، اقتصادی و ثقافتی مطالعہ اور انتھروپولوجی وغیرہ شامل ہیں۔ اطلاقی لسانیات کا

مطالعہ "زبان سیکھنے اور سکھانے" کے عملی طریقوں اور اسلوب کا مطالعہ لسانیات کے اصولوں اور نظریات پر کرتا ہے۔

اس علم کا اطلاق زبان کے استعمال پر ہوتا ہے۔ اطلاقی لسانیات میں زبان کے ارتقائی سفر کا مطالعہ نہیں کیا جاتا۔ لسانیات کا دائرہ کار تمام دوسرے علوم وفنون پر بھی مروج ہے کسی بھی ادبی متن کا مطالعہ علم لسانیات کو جانے بغیر ممکن نہیں۔ تجزیہ کلامیہ "ڈسکورس اینالسز" زبان کے استعمال اور ادب کے تخلیقی اظہار پر بحث کرتی ہے یعنی زبان کو بروئے کار لا کر ادبی متون کی تخلیقی صلاحیت اور معنوں تک رسائی حاصل کرنے کی کوشش ہے۔ ڈاکٹر ابو شہیم اپنے مضمون "لسانیات اور ترجمہ کے اصول" میں لکھتے ہیں کہ "کسی بھی ادبی متن کے اپنے کوئی معانی نہیں ہوتے ۔رائج تمدن اور اقتدار کا نظام ہی اس کے حتمی معانی متن کرتے ہیں۔"[۳]

اطلاقی لسانیات کی اس شاخ "کرٹیکل ڈسکورس اینالسز" پر مغربی ماہرین کی طرف کی کافی کام دیکھنے کو ملتا ہے۔ اس علم کے منظر عام پر آنے سے زبان کے دو حصوں تحریر اور تقریر جیسے نئے مباحث سامنے آئے۔ تنقیدی تجزیہ کلامیہ "کرٹیکل ڈسکورس اینالسز" کے نظریے کی سب سے اہم بات یہ ہے کہ نہ صرف زبان کے تحریری اور تقریری پہلو پر بحث کرتا ہے بلکہ اس کا تعلق رابطے کے غیر لسانی پہلوؤں سے بھی ہے۔

لسانیات چونکہ زبان کے سائنسی علم کا نام ہے اور اپنے روایتی انداز میں جملے کے تجزیے تک ہی اس کا دائرہ کار محدود ہے۔ زبان کے منظم علم کو لسانیات ہی کا درجہ دیا جاتا ہے۔ لسانیات دراصل زبان کی داخلیت کو سمجھنے کا نام ہے۔ خیالات کا مطالعہ، اصوات کا مطالعہ، معاشی صورت حال اور معانی وغیرہ شامل ہیں۔ اس لحاظ سے ہم یہ بھی کہہ سکتے ہیں کہ "ڈسکورس" زبان کی وہ مسلسل و مربوط شکل ہے "جس کا طول کسی مفرد جملے کے مقابلے میں زیادہ ہوتا ہے۔"[۴]

کلامیہ کی اصطلاح ادب، سماجیات، تراجم، سیاسیات اور تنقید نگاری میں بکثرت استعمال ہوتی نظر آتی ہے، ہر شعبہ سے تعلق سے رکھنے والا شخص اسے اپنے انداز میں واقفیت رکھتا ہے، ایک طالب علم کلامیہ کو اپنے انداز میں دیکھے گا اور ایک ماہرین لسانیات اسے سوچ و نظریات پر پرکھے گا۔ بعض ماہرین کلامیہ کو غیر جانبداری سے دیکھتے ہیں ، مگر یہاں اس بات کی وضاحت ضروری ہے کہ کلامیہ یا زبان اپنے ایک مخصوص اور مخفی معانی رکھتی ہے۔ زبان کے ہر لفظ کے پیچھے ایک ایجنڈا موجود ہوتا ہے، ہر لفظ کے پیچھے ایک سیاست ہوتی ہے جو لکھاری / مقرر کے مقاصد کی تلاش میں مدد کرتی ہے، مثلاً کوئی بھی لکھاری اپنے الفاظ کے استعمال سے کسی دوسرے شخص کو نیک و بد ثابت، پاک باز، شیطان صفت اور جھوٹا سچا ثابت کرنے کی صلاحیت رکھتا ہے۔ مگر یہ سب وہ ڈھکے چھپے الفاظ میں کرتا ہے۔

تجزیہ کلامیہ ایک ایسا تحقیقی طریقہ کار ہے، جو کسی بھی بولی جانے والی یا لکھی جانے والی زبان کو اس کے سماجی تناظر میں دیکھنے کے کام آتا ہے، کسی بھی زبان کا حقیقی زندگی میں مطالعہ کیا جاتا ہے کہ وہ زبان کتنی فائدہ مند ہے، دنیا کی کسی بھی زبان کو سیکھا تو جاسکتا ہے، مگر اس نئی زبان کا استعمال روزمرہ زندگی میں مشکل ہوتا ہے۔ کسی بھی زبان کو سیکھنے کے لیے مندرجہ ذیل مقاصد کو سامنے رکھا جاتا ہے۔

۱۔ کسی زبان کے اغراض و مقاصد اور اثرات کا لسانی و غیر لسانی جائزہ لینا۔
۲۔ کسی زبان کے ثقافتی اصولوں کا مطالعہ کرنا
۳۔ ہم اپنے اعتقادات، ایمان اور اقدار کا استعمال کس طرح کرتے ہیں۔
۴۔ زبان کو اس کے تاریخی، سیاسی اور سماجی تناظر میں دیکھنا۔

قاری کسی بھی بولی ور لکھی جانے والی زبان سے معانی اخذ کرنے کی طاقت رکھتا ہے۔ کسی متن میں لکھی جانے والی املاء اور گرامر کی غلطیوں کا جائزہ نہیں لیا جاتا، کلامیہ جملے سے آگے مطالعہ کرنے کی کوشش کا نام ہے۔ کلامیہ کے دو اہم نکات مندرجہ ذیل ہیں۔

۱۔ اتصال(Cohension)
۲۔ ہم آہنگی(Coherence)

۱۔اتصال(Cohension):

وہ تمام الفاظ جو متن کو قواعدی طور پر اس طرح جوڑتے ہیں کہ متن میں ایک منطقی ربط قائم ہو جاتا ہے اتصال کہلاتا ہے۔

۲۔ہم آہنگی(Coherence):

یہ ایک ایسی خصوصیت جو ایک پورے پیراگراف کو ایک اکائی کے طور پر پیش کرتی ہے، کسی پیراگراف کو معنیاتی طور پر معانی دیتی ہے۔ پیراگراف میں کوئی قواعدی لنک ہونا ضروری نہیں ہے۔[۵]

ڈاکٹر سید محی الدین قادری زور نے لسانیات کی تعریف کچھ اس طرح سے کی ہے "لسانیات اس علم کو کہتے ہیں جس کے ذریعے سے زبان کی ماہیت، تشکیل و ارتقا، زندگی اور موت کے متعلق آگاہی ہوتی ہے۔[۶]" لسانیات کو عموماً چار اقسام میں تقسیم کیا جاتا ہے۔

۱۔ صوتیات
۲۔ معنیات
۳۔ نحویات

۴۔ مارفیمیات

کلامیہ زبان کے دو پہلوؤں تحریر اور تقریر سے بھی ماخوذ ہے جو دو یا دو سے زیادہ جملوں کے ربط سے مل کر تشکیل پائے۔یعنی وہ جملے جو باہم مربوط ہو کر اکائی کی شکل اختیار کر لیں۔جملوں کی ترتیب ایک اکائی کی شکل اختیار کر لیتی ہے اور تنقیدی تجزیہ کلامیہ اسی سے بحث کرتا ہے۔لیکن لسانیات کی اس بحث میں اس بات کو ملحوظ خاطر رکھنا ضروری ہے کہ اگر ایک لسانی شکل میں صرف مفرد جملہ ہی ہو تو ہم اس اکیلے جملے کو کلامیہ کا نام نہیں دے سکتے۔ایک مفرد جملے کے مقابلے میں طویل جملہ جس کے اجزا میں باہمی ربط پایا جائے، تجزیہ کلامیہ کی شرط ہے۔

تجزیہ کلامیہ کے مطالعے سے ہمیں یہ بات معلوم ہو جاتی ہے کہ کلامیہ جہاں ایک جملہ ختم ہو اور وہی سے دوسرا جملہ شروع ہوا اور یہ دونوں جملے آپس میں ایک دوسرے کے ساتھ ربط میں ہوں تو وہیں سے تجزیہ کلامیہ "ڈسکورس اینالسز' کی حد شروع ہو جاتی ہے۔

تجزیہ کلامیہ کی مزید وضاحت کے لیے ہم عربی کی ایک اصطلاح سے سمجھنے کی کوشش کرتے ہیں تا کہ ہم کسی حد تک کلامیہ کے اندرونی معنوں تک رسائی حاصل کر سکیں۔

عربی میں ایک اصطلاح " المعروف" ہے۔ جس کے اردو معانی " پہچان ،شناخت" کے ہیں۔[۷] ہم اس اصطلاح سے یوں مراد لے سکتے ہیں کہ یہ ایک ایسا عمل اور قول ہے یعنی ایسی کہی ہوئی بات یا ظاہر کی ہوئی بات ہے ۔جس سے لوگوں کا ایک وسیع مجمع واقفیت رکھتا ہو۔اس قول و عمل کے استعمال سے لوگ کسی شئے کے ظاہری اور پوشیدہ معنوں تک پہنچ سکتے ہیں۔

"المعروف" کی اس اصطلاح سے بھی ہم کلامیہ کے مفہوم کو اچھی طرح سمجھ سکتے ہیں۔یعنی کلامیہ ایک ایسا عمل ہے جس سے لوگوں کی اکثریت واقفیت رکھتی ہو۔

کلامیہ کے مفہوم کو سمجھنے کے لیے "المعروف" ایک ایسا عمومی طریقہ کار ہے یا اسے ایسے رجحان کا نام دے سکتے ہیں، جو ایک خاص طرح کا ایسا نظام ہوتا ہے جو ایک خاص طرح کے لوگوں میں مقبول ہوتا ہے۔مثال کے طور پر تعلیم کے شعبے میں کلامیہ سے مراد اسی شعبے سے وابستہ لوگوں کا عوامی رجحان ہے۔اس تمام شعبے کے دائرہ کار میں استعمال ہونے والی زبان اور اصطلاحات کو معاشرے کا ایک عام شخص نہیں سمجھ سکتا۔

تعلیم کے شعبے میں استعمال ہونے والی اصطلاحات کے مطالب اور مفاہیم کو اس سے متعلقہ شخص بہتر طور پر سمجھ سکتا ہے۔اسی طرح اگر ہم مذہب، سیاست اور تانیثیت وغیرہ کی اصطلاحوں کو سمجھنے کی کوشش کریں تو ہمیں ایسے لوگوں سے واسطہ رکھنا ہو گا جو اس شعبے سے وابسطہ ہوں کیوں کہ ان شعبوں میں مستعمل زبان اور اصطلاحیں ہر شخص کی سمجھ سے بالاتر ہیں۔اس طرح اس بات کی وضاحت ہو جاتی ہے کہ کلامیہ کسی ایک فیلڈ کے لیے مخصوص

نہیں کیا جا سکتا۔ ہر شعبے کا اپنا کلامیہ ہوتا ہے۔ جیسے لیگل ڈسکورس، مینجمنٹ ڈسکورس، پالیٹکل ڈسکورس، ریلیجیس ڈسکورس وغیرہ۔ کلامیہ کی کئ اقسام کو تحریری اور تقریری طور پر استعمال کیا جاتا ہے لیکن ان اقسام پر وسیع معلومات کے لیے تاحال اردو ادب میں کوئی کام دیکھنے میں نہیں آیا۔ البتہ لسانیات مغربی مفکرین کی طرف سے متعارف کروائی گئی ہے اور مغربی مفکرین نے اس پر کافی کام کیا۔

انگریزی میں لسانیات کے موضوع پر کافی کتب اور آرٹیکلز لکھے جا چکے ہیں۔ عہد حاضر میں اردو ادب میں بھی اس موضوع پر نظریاتی بحث کا آغاز ہو چکا ہے جس کی بدولت اردو میں بھی تجزیہ کلامیہ پر مضامین اور آرٹیکلز مختلف برقی ویب سائٹس پر موجود ہیں۔

عہد حاضر میں کلامیہ کی اہمیت اس لیے بڑھ چکی ہیں اور رفتہ رفتہ مزید بڑھتی جا رہی ہے کیوں کہ آج کے دور میں ترقی کا واحد رستہ ہتھیاروں سے ممکن نہیں صرف باتیں بنا کر ممکن ہے۔ کلامیہ کی اہمیت نہ صرف ترقی کرنے کے لیے ضروری ہے بلکہ ادب میں بھی اس کی ضرورت بہر حال موجود ہے۔ دور حاضر کے نقاد کلامیہ سے کافی حد تک واقفیت اور آگاہی رکھتے ہیں اور دور حاضر میں بھی اس کی اہمیت و افادیت سے انکار ممکن۔ بعض اوقات کئی ادبی نقاد ادبی ڈسکورس پر بحث کرتے نظر آتے ہیں۔[۸]

اردو ادب میں مختلف ماہرین نقاد / مصنفین ڈسکورس کے لیے اردو میں مختلف اصطلاحوں کا استعمال کرتے اور بحث کرتے نظر آتے ہیں۔ جن میں ڈاکٹر مولوی عبد الحق نے اپنی اردو انگریزی ڈکشنری میں ڈسکورس کے لیے مختلف معنوں کا استعمال کیا ہے جو کہ درج ذیل ہے۔ ۱۔" بیان، مقالہ، وعظ، خطبہ، رسالہ، تقریر ۲۔ بات چیت، گفتگو ۳۔ کسی موضوع پر کوئی تحریری یا تقریری بحث کرنا، اظہار خیال کرنا ۴۔ مکالمہ کرنا یا گفتگو کرنا وغیرہ "۔[۹]

مرزا خلیل احمد بیگ اردو کے ماہرین لسانیات جنھوں نے لسانیات کے موضوع پر بہت سی کتابیں لکھیں ان کا کام سماجی لسانیات کے شعبے میں دیکھا جا سکتا ہے ۔اردو کی لسانی تشکیل، تنقید اور اسلوبیاتی تنقید، لسانی مسائل و مباحث،لسانی تناظر، زبان اسلوب اور اسلوبیات ان کی لسانیات کے حوالے سے مشہور کتب ہیں۔

مرزا خلیل احمد بیگ کا مضمون تجزیہ کلامیہ: مسائل و مباحث" جو کہ پنجند ڈاٹ کام نامی ایک برقی کی ویب سائٹس پر موجود ہے۔ اس مضمون میں انھوں نے "ڈسکورس" کے لیے کلامیہ کا لفظ استعمال کیا ہے۔[۱۰] لیکن اردو ادب میں ابھی اسے پوری طرح سے رائج نہیں کیا جا سکا البتہ اردو کے بہت سے مصنفین ڈسکورس کے لیے اپنی تحریروں میں ڈسکورس لکھنا ہی پسند کرتے ہیں، تاہم بہت سے ماہرین ایسے بھی ہیں جنھوں نے ڈسکورس اینالسز کے لیے "عمل فکر کا جائزہ" جیسی اصطلاحیں وضع کی ہیں۔

مرزا خلیل احمد بیگ نے مذکورہ بالا مضمون میں کلامیہ کو توسیع شدہ تکلم کا نام بھی دیا ہے۔[10] جس کی کچھ شکلیں مندرجہ ذیل ہیں:

> حکایات، قصے، کہانیاں، دعا، التجا، لطیفہ، تقریریں، انٹرویو، التماس، خطبہ، رائے اور اشتہارات وغیرہ ان تمام اشکال کو کلامی اصناف بھی کہتے ہیں۔ اصناف ادب کا شمار بھی کلامی اصناف کے زمرے میں ہی کیا جاتا ہے۔ مزید ان کلامی اصناف کی وضاحت میں خلیل احمد بیگ لکھتے ہیں کہ ان میں بعض کلامی اصناف ایسی ہوتی ہیں جن کو آفاقی کلامی اصناف میں شمار بھی کیا جاتا ہے، یہ کلامی اصناف ہماری اردو زبان کے علاوہ دوسری زبانوں میں بھی پائی جاتی ہیں۔[11]

یہاں یہ بات سمجھنے کی ضرورت ہے کہ ایک زبان کی ادبی اصناف، دوسری زبان میں پائی جانے والی ادبی اصناف سے مختلف ہو سکتی ہیں۔ ہر ریاست کی اپنی ثقافت اور خارج عوامل کی بدولت تبدیلیاں ہوتی رہتی ہیں اور یہی عوامل ادبی اصناف میں تغیر پذیری کا سبب بنتی ہیں۔ مثلاً ہمارے ہاں افسانے کی روایت انگریزی سے آئی۔ جب کہ غزل اردو زبان کی پیداوار ہے۔ ادبیات کی دنیا میں، غزل کے علاوہ شاید ہی کوئی دوسری صنف ایسی ہو جو جغرافیائی اور معاشی اختلاف کے باوجود دوسری کچھ زبانوں میں یکساں مقبول ہو۔

ایسی کلامی اصناف جو بہت سی زبانوں میں یکساں مقبولیت کا درجہ رکھتی ہوں آفاقی اصناف کہا جاتا ہے لیکن ایک ریاست میں وقوع پذیر ادبی اصناف ایک دوسرے سے مختلف ہو سکتی ہیں۔ مثال کے طور پر، دوہا ہندی سے، غزل اردو سے، سانیٹ انگریزی سے، ہائیکو کی صنف جاپان سے آئی ہے۔ ہر کلامی صنف کی اپنی الگ خصوصیات ہوتی ہیں، جو اپنے معنی اور مفہوم کی ترسیل بہت بخوبی انجام دیتی ہیں۔ کچھ کلامی اصناف متکلم تک محدود ہوتی ہیں مثلاً کسی صدر یا وزیراعظم کا دیا جانے والا خطبہ، جو اپنے معنی اور مفہوم کی ترسیل اپنے خطبے کے ذریعے کرتا ہے۔ اسی طرح بعض کلامی اصناف میں متکلم بہت سے لوگوں کا اجتماع یا گروہ ہو سکتا ہے مثلاً کوئی بحث و مباحثہ، سوال جواب، انٹرویو، مذاکرہ، مکالمہ، تکرار وغیرہ۔

یہ ضروری نہیں ہے کہ کوئی کلامیہ ایک ہی صنف پر مشتمل ہو اس کلامیہ یا کوئی بھی کلامی اصناف کو مزید کئی ذیلی اصناف میں تقسیم کیا جا سکتا ہے۔ مثلاً ادب میں شاعری ایک ایسی صنف ہے جس کو غزل، قصیدہ، دوہا، ہائیکو اور نظم جیسی ذیلی اصناف میں تقسیم کیا جاتا ہے، اسی طرح اگر ہم کلامی اصناف میں "صدراتی خطبہ" کو سامنے رکھیں تو اس کو بھی کلیدی خطبہ، افتتاحی خطبہ اور الوداعی خطبہ جیسی ذیلی اصناف میں تقسیم کیا جاتا ہے۔ اسی طرح کلامی مفہوم کی ترسیل کو ممکن بنانے کے لیے انٹرویو کی گفتگو، آمنے سامنے کی گفتگو، اور ٹیلی فونک رابطے بھی شامل ہیں۔[12]

تجزیہ کلامیہ کا فروغ لسانیات کی اہم شاخ کے طور پر ۱۹۸۰ء کے بعد ہوا۔ ۱۹۸۳ء اور ۱۹۸۸ء کے دوران

تجزیہ کلامیہ پر ۵ کتابیں اور ۲ جرائد منظر عام پر آئے۔ وین ڈیجک (Van Dijk) کی کتاب *"The Handbook of discourse Analysis"* شائع ہوئی۔ اسی کتاب کا دوسرا ایڈیشن ۲۰۱۵ء میں منظر عام پر آیا۔ کرٹیکل ڈسکورس اینالسز کے موضوع پر شائع ہونے والی یہ ایک جامع کتاب ہے۔ جس میں ڈسکورس کو مختلف شعبوں جیسے لیگل ڈسکورس، پالیٹیکل ڈسکورس، فیمینسٹ ڈسکورس، چائلڈ ڈسکورس، ریلیجیس ڈسکورس وغیرہ کی تفصیلی معلومات دی گئی۔

ڈسکورس کو مختلف اقسام میں تقسیم کیا جاتا ہے۔

۱۔ بیانیہ (Narration)

۲۔ وضاحت (Description)

۳۔ توضیح (Exposition)

۴۔ ترغیب (Persuation)

۵۔ شاعرانہ گفتگو (Poetic Writing)

۶۔ یکجائیت (Combing Writing)

بنیادی طور پر بیانیہ کہانی سنانے یا لکھنے کا ایک انداز ہے، کسی بھی موقع اور وقت پر کی جانے والی گفتگو یا واقعہ بیانیہ کہلاتا ہے۔ جسے انگریزی زبان میں "سٹوری ٹیلنگ" کا نام دیا جاتا ہے۔ مثلاً کوئی تاریخی واقعہ، پولیس رپورٹ، کسی واقعے کی داستان، تاریخی یا روایتی ناول، بیانیہ افسانوی اور غیر افسانوی دونوں طرح سے ہو سکتا ہے، وکی پیڈیا میں بیانیہ کی تعریف کچھ یوں بیان کی گئی ہے۔ "قصہ یا بیانیہ صحیح معنوں میں کئی واقعات کی ایک داستان ہوتی ہے، جو یکے بعد دیگرے علی الترتیب بیان ہوتی ہے۔"[۱۳]

کسی بھی چیز چاہیے وہ تقریر ہو یا تحریر کی تفصیل حواس خمسہ کے استعمال کے ساتھ اس کا بیان کرنا وضاحت کہلاتا ہے، مثلاً کسی روداد کو لکھتے ہوئے ہم حواس خمسہ کا استعمال کرتے ہوئے ہوئے حقیقت کا ادراک کرتے ہیں۔ غیر حقیقی معلومات سے اجتناب کرتے ہیں۔ بعض اوقات ہمیں ایسی روداد کا سامنا کرنا پڑتا ہے جس کی تفصیل ممکن نہیں ہوتی۔ لیکن پھر بھی ہم اس پر تفصیل دینے کی کوشش کرتے ہیں لیکن وہ تمام تر تفصیل حقیقت پر مبنی ہوتی ہے۔ بیانیہ کی طرح وضاحت بھی افسانوی اور غیر افسانوی دونوں طرح سے ہو سکتی ہے۔ بقول شکیل الرحمنٰ "الفاظ کے ہر ٹکڑے میں انسانی ذہن کے ہنگاموں کی کوئی نہ کوئی تصویر مل جاتی ہے"۔[۱۴]

اس قسم کے ڈسکورس میں بھی کسی تحریر یا تقریر کی وضاحت یا تفصیل دی جاتی ہے، کسی تحریر / تقریر کے ذریعے سامع / قاری تک اطلاع پہنچائی جاتی ہے۔ مثلاً کسی مریض کی طبی رپورٹ اس کی بیماری کی اطلاع اس تک پہنچاتی ہے جو حقیقت پر مبنی ہوتی ہے، کسی کتاب کا خلاصہ، لکھاری کی بات کو سامع تک پہنچاتا ہے، ایسی طرح دیگر سٹاک رپورٹ، انسائیکلوپیڈیا اور ہدایات وغیرہ، توضیع کا مقصد کسی مسئلے یا معلومات یا خیال کی وضاحت ہے۔

کسی بھی مقرر / لکھاری کا اپنی تقریر / تحریر کے ذریعے سننے یا پڑھنے والے کو اپنی بات کی طرف اس طرح قائل کرنا کہ قاری / سامع اس بات کو حقیقت خیال کرے، اس مقصد کی تکمیل کے لیے مقرر / لکھاری اپنی بات کی تفصیل ٹھوس دلائل سے کرتا ہے۔ بعض اوقات مقرر / لکھاری اپنی بات کو جذبات کے ذریعے پہنچاتا ہے۔ وہ قاری / سامع کے جذبات کو مد نظر رکھ کر بات کی پیش کش کرتا ہے۔ مثلاً، کسی جلسے میں کی جانے والی تقریر، الیکشن پمفلٹ اور کمپینز، کسی فلم کا ریویو، اشتہارات وغیرہ۔

اس قسم کے ڈسکورس کے لیے، خیالات و جذبات یا مادی چیزوں کا بیان زبان کے شاعرانہ استعمال سے کیا جاتا ہے۔ مختلف مصرعوں کی کڑیوں سے بات کی تکمیل کی جاتی ہے۔ ڈسکورس کی آخری قسم یکجائیت ہے۔ اس طرح کا ڈسکورس وضاحت اور توضیح کا ملاپ ہے، مثلاً کسی آرٹ گیلری میں لگی پینٹنگ کی وضاحت کی جائے کہ وہ کس طرح سے دیکھائی دیتی ہے اور توضیح کے ذریعے وہ پینٹنگ اپنے مصور کے پیغام کی وضاحت کرے گی۔ ڈاکٹر ابو شہیم خان کے مطابق "سماجی لسانیات کا سروکار سماج میں تبادلہ خیال کے لیے ہونے والی زبان سے ہوتا ہے۔"[۱۲]

ڈسکورس کے حوالے سے مغربی ماہرین لسانیات کی آرا:

تنقیدی تجزیہ کلامیہ "کرٹیکل ڈسکورس اینالسز" کو سمجھنے سے پہلے ڈسکورس اینالسز کی اصطلاح کو سمجھنا ضروری ہے، ڈسکورس اینالسز پر کام کرنے والوں میں سب سے پہلے میخائل باختن (Mikhail Bakhtin) کا نام شامل ہے۔ باختن ایک روسی ماہرین لسانیات، فلاسفر اور ادبی نقاد تھا۔ ۴ نومبر ۱۸۹۵ء کو روس میں آپ کی پیدائش ہوئی۔ باختن نے مارکسزم، معانیات، ساختیات اور مذہبی تنقید پر کام کیا۔ اس کے علاوہ دیگر مضامین ادبی تنقید، تاریخ، فلاسفی، سماجی، بشریات اور نفسیات پر بھی آپ کا کام ملتا ہے

باختن نے ڈسکورس اینالسز کو سمجھنے کے لیے سب سے پہلے ناول پر کام کیا۔ باختن کا یہ نظریہ تھا کہ ناول شاعری سے زیادہ طاقت ور ہے، وہ کہتے ہیں کہ ناول کا ہر کردار اپنی الگ پہچان رکھتا ہے۔ ناول کا ہر ایک کردار دوسرے کردار سے بلاواسطہ متاثر ہوتا ہے۔ ان کرداروں سے مختلف قسم کے مسائل جنم لیتے ہیں اور انہی کرداروں سے پیدا ہونے والے مسائل کو باختن ڈسکورس کا نام دیتا ہے۔ وین ڈیجک نے ڈسکورس کو کسی بھی چیز یا متن کی پیش

کش کا نام دیا ہے ۔۔ روتھ ووڈیک نے ہر اس شئے کو ڈسکورس کا نام دیا، جس سے معنی اخذ کیے جاسکتے ہوں مثلاً، بات چیت، کارٹون، سگنلز اور تصاویر ڈسکورس کی ہی شکل ہے۔[۱۵]

The Handbook of Discourse Analysis کا دوسرا ایڈیشن پہلے ایڈیشن کے مقابلے میں زیادہ کامیاب ہوا ہے جس میں تجزیہ کلامیہ کے تمام پہلوؤں پر نئے سرے سے تحقیق کی گئی اور ڈسکورس کے تصوارات کو تفصیلا بیان کیا گیا۔ اس کتاب کا پہلا ایڈیشن وین ڈیجک نے شائع کروایا۔ اس کتاب کے اب تک چار ایڈیشن شائع کیے جاچکے ہیں۔

اسی کتاب کا دوسرا ایڈیشن ڈیبورا اشفرن (Deborah Schiffrin) ، ہیڈی ای ہملٹن (Heidi E.Hamilton) اور ڈیبوراٹینن (Deborah Tannen) نے شائع کروایا جنہوں نے کلامیہ کے تجزیے اور سماجی لسانیات کے شعبوں میں تحقیق کی۔ انھوں نے انگریزی کلامیہ کے نشانات ڈسکورس مارکرز پر کام کیا۔ ڈیبوروٹینن کی مرکزی تحقیق باہمی تعلق کے اظہار پر مبنی ہے۔ ٹینن نے متعدد سطحوں پر صنف سے اختلاف اور ثقافتی پس منظر، نیز تقریر بھی شامل ہے اس ضمن میں پروفیسر خلیل احمد بیگ کہتے ہیں کہ کلامیہ کا تجزیہ بنیادی طور پر زبان کے استعمال سے بحث کرتا ہے۔ اس سے محض لسانیاتی ہیتوں تک محدود نہیں رکھا جاسکتا۔ عہد حاضر میں بعض اردو نقاد کلامیہ کے نظریے سے کسی حد تک واقفیت رکھتے ہیں۔

ڈیبورا اشفرن اور ان کے رفقاء نے کتاب *"The Handbook of Discourse Analysis"* میں کسی بھی زبان کو جانچنے کے لیے کچھ نکات کا ذکر کیا ہے۔ ڈیبورااشفرن کے نظریات "ڈسکورس مارکز" پر مبنی ہیں۔ اردو ادب میں مارکرز یعنی نشانات کے موضوع پر بہت کم مواد موجود ہے، مگر بیسویں صدی کے ادبی جرائد میں ساختیات اور پس ساختیات کے بعد نشانات کے حوالے سے بھی بحثیں ہوتی رہی ہیں۔ نشانات / مارکز کا تمام تر استعمال کسی متن کے ترسیلی مقاصد اور پیغام رسانی سے ہے۔ ڈیبورااشفرن کے دیئے گئے چند نکات کی تفصیل درج ذیل ہے۔

ا۔ لسانی و غیر لسانی مطالعہ۔ لسانی مطالعہ کسی ٹیکسٹ کی قواعد، نحوی معانی اور الفاظ کے استعمال سے بحث کرتا ہے، جب کہ غیر لسانی مطالعہ زبان سے باہر، اشارات، تاثرات، جسمانی حرکات وسکنات اور پوزیشن کے متعلق جانچ کرتا ہے، کسی بھی ادبی متن میں ان تمام عوامل کی تلاش اور ان کے زیر اثر پیدا ہونے والے عوامل کا تجزیہ کیا جاتا ہے[۱۶]

۲۔ تجربی و تنقیدی مطالعہ۔ کسی ٹیکسٹ / متن کو پیش کرتے وقت کس زبان کا استعمال کیا گیا ہے، سماجی سرگرمی کا تجزیہ اور لکھاری اور قاری کا تہذیبی اور ثقافتی پس منظر کیا ہے؟ استعمال شدہ الفاظ کا پس منظر، جملوں اور اقتباسات کے درمیان اتصال اور ہم آہنگی کا مطالعہ شامل ہے)۔

تجزیہ کلامیہ "ڈسکورس اینالسز" کے موضوع پر کافی کام کیا جا چکا ہے۔ کئی جرائد دیکھنے میں آچکے ہیں اور کئی کتابیں سامنے آچکی ہیں۔ تجزیہ کلامیہ "ڈسکورس اینالسز" پر بنیادی کام کرنے والوں میں زیلگ ہرس اور مائیکل اسٹبز کا نام بہت مشہور ہے۔ان کا شمار ان ماہرین لسانیات میں ہوتا ہے جنہوں نے کلامیہ کو جملوں کا جوڑ A Combination of Sentences کہا ہے۔[۱۷]

یعنی مختلف مفرد جملوں کا باہم آپس میں مربوط ہونا کلامیہ کی شکل تشکیل کرتا ہے۔اس جملے کی وضاحت یوں کی جا سکتی ہے کہ کلامیہ کسی متن کے اندر مختلف جملوں اور لفظوں کا ربط ہے، اس کے ساتھ ساتھ ان جملوں اور الفاظ میں معنوی مفہوم کے لحاظ سے بھی ربط کا ہونا ضروری ہے۔ جملوں کی آپس میں مربوطی ایسے ہو کہ ہر جملہ دوسرے جملے سے بلاواسطہ رابطہ رکھتا ہو۔

زیلگ ہرس اور مائیکل اسٹبز (Zelling S.Harris and Michel Stubbs):

زیلگ ہرس اور مائیکل اسٹبز نے تجزیہ کلامیہ "ڈسکورس اینالسز" کے نظریات کو مندرجہ ذیل لفظوں میں بیان کیا ہے۔ "ہر وہ مطالعہ جو مفرد جملوں تک محدود نہ ہو اور جو سیاق و سباق سے خارج نہ ہو تجزیہ کلامیہ کہلائے گا"[۱۸]
زیلگ ہیرس اور مائیکل اسٹبنز کے نظریات کا اگر بغور مطالعہ کیا جائے تو یہ نظریات مختلف الفاظ اور جملوں کے ہیر پھیر ہونے کے باوجود مطلب کے لحاظ سے ایک ہی معلوم ہوتے ہیں۔ ان ماہرین لسانیات کا مزید کہنا ہے کہ چوں کہ لسانیات زبان کے سائنسی مطالعے کا نام ہے۔لسانیات کا روایتی انداز بھی صرف جملے کے تجزیے تک ہی محدود رہا ہے ۔یعنی جملے سے باہر کوئی بھی چیز اس کے دائرہ کار میں شامل نہیں ہو سکتی۔

مشل فوکو (Michel Foucault):

بیسویں صدی عیسوی کا فرانسیسی فلسفی اور ماہرین لسانیات ہے۔ کریٹیکل ڈسکورس اینالسز کی بنیاد رکھنے والوں میں سر فہرست مشل فوکو کا نام ہے، تجزیہ کلامیہ "ڈسکورس" پر کام کرنے والوں میں مشل فوکو کو فوقیت دی جاتی ہے، مشل فوکو اپنے مشہور نظریے فوکالڈین ڈسکورس اینالسز(Foucaldian Discourse Analysis) کی وجہ سے جانے جاتے ہیں۔

فوکو وہ واحد ماہرین لسانیات ہے جس نے انسانوں کی واحد مواصلاتی زبان کو گرامر (قواعد) اور منطق (دلیل) کی حدود سے باہر نکال کر اس کا رشتہ بالواسطہ سماج کے نفسیات اور سیاست کے ساتھ جوڑ دیا ہے۔

مشل فوکو کا نظریہ تجزیہ کلامیہ "ڈسکورس اینالسز" کے حوالے سے ہمیں یہ بتاتا ہے کہ کس طرح کوئی بھی ریاست زبان کو اپنے تسلط اور مقاصد کے لیے استعمال کرتی ہے اور کس طرح اپنے ماتحت کام کرنے والے عملے کو بھی پیروی کرنے کی تلقین کرتی ہے۔ مشل فوکو نے دنیا کی ڈپلومیسی کے تمام راز دنیا کے سامنے فاش کر دیے۔ اس ڈپلومیسی کی حقیقت منظر عام پر آنے سے دنیا کے تمام خطوں میں بولی جانے والی زبانیں اپنے آپ کو بچانے میں ناکام رہی ہیں۔ مشل فوکو کی دلچسپی جنیالوجی کے علم میں کافی زیادہ تھی۔ جنیالوجی کے علم سے بہت کم لوگ ہی واقفیت رکھتے ہیں، دراصل جنیالوجی کے علم کو "علم الانساب" کہا جاتا ہے۔[19]

جنیالوجی "علم الانساب" درحقیقت وہ علم ہے۔ جس میں کسی ایک فرد یا افراد کے شجرہ نسب کا علم حاصل کیا جاتا ہے اور اس کی پہچان کی جاتی ہے جس طرح دوسرے علوم کے اپنے کچھ معیارات مقرر ہیں بالکل اسی طرح علم الانساب "جنیالوجی" کے علم کے بھی اپنے قواعد و ضوابط، اصول، اصطلاحات اور رموز و اوقاف ہیں۔ جن کے بغیر ان کی صحیح سے معرفت حاصل نہیں کی جا سکتی۔ اس طرح کسی بھی علم کو سمجھنے کے لیے اصول ضوابط کا ہونا لازم و ملزم ہے۔

مشل فوکو جینالوجیکل اور آرکیالوجیکل علوم میں کافی دلچسپی رکھتا تھا، اس کے نزدیک انسانی فکر ایک تشکیل کا نام ہے۔ ان کا کام باقی دوسرے ماہرین لسانیات سے اس طرح مختلف ہے کہ آپ نے ساختیاتی لسانیات کے وضع کردہ اصولوں کو سماجی اور ثقافتی عوام کے تجزیہ کے لیے استعمال نہیں کیا۔ ان کے نزدیک سماج کی تشکیل ایک متن کی حدود سے باہر ہے۔ ادریس آزاد نے اپنے مقالے "ڈسکورس اینالسز" میں مشل فوکو کی ان دلچسپیوں کو ان الفاظ میں بیان کیا ہے۔ "کسی خاص تاریخی عہد میں کسی ڈسکورس کا تخلیق کے ساتھ گہرا تعلق طاقت کے ساتھ ہے۔"[20]

فوکو نے ڈسکورس کے لیے اس بات کی وضاحت کی کہ ڈسکورس کسی زبان کے اندر پیدا ہوتا ہے اور زبان کے اندر جنم لینے کی وجہ سے ڈسکورس طاقت ہے، فوکو زبان سے پیدا ہونے والے ڈسکورس کی وضاحت کے لیے پچھلی صدی میں گذر جانے والی حکومتوں سے کرتا ہے۔ وہ کہتا ہے کہ ان حکومتوں میں ڈسکورس کے نت نئے طریقے دیکھنے میں آئے اور روز بروز تبدیلی ہونے والی یہ نئی حکومتیں مختلف ڈسکورس پیدا کرنے کا سبب بنتی رہی ہیں اور طاقت کے زیر اثر پیدا ہونے والے "ڈسکورس" کو متعارف کرواتی رہی ہیں۔ اور یہ عمل اسی طرح سے چلتا رہا۔

ادریس آزاد نے اپنے مقالے میں "ڈسکورس اینالسز" کا درست ترجمہ "اظہار خیال کا جائزہ" بتایا ہے جب کہ ڈکشنری میں Written of spoken communication[21] درج ہے۔

ان کے مطابق ڈسکورس پرانے وقتوں میں جدید لسانیات کا پسندیدہ اور اہم موضوع ہوا کرتا ہے، جو کچھ ہم بولتے ہیں اس کے ساتھ ساتھ بہت کچھ ایسا ہوتا ہے جو ہماری ظاہری خدوخال کا حصہ ہوتا ہے، مثلاً اٹھنا، بیٹھنا، پہناوا، دکھاوا، اشارات اور چہرے کے زوایے کے اتار چڑھاو سے ہماری زبان کا حصہ بن جاتے ہیں یہی ظاہری خدوخال ہماری گفتگو کو معنی پہنانے میں اہم کردار ادا کرتے ہیں۔ بقول سہیل بخاری "اشارے کو زبان کا پیش رو نہیں صرف ساتھی مانا جاتا ہے"۔ ۲۲

جب ہم انہی ظاہری خدوخال کو اپنی تحریر کا حصہ بناتے ہیں تو بہت سی چیزیں مثلاً احساسات، خیالات، تاثرات ہماری تحریر کا حصہ نہیں بن پاتے۔ اور ہمیں اپنی گفتگو کو معنی خیز بنانے کے لیے ان تمام تاثرات کے لیے منظر نگاری کرنا پڑتی ہے، تاکہ قاری ادبی متون کو پڑھتے وقت مصنف کی تحریروں کا مطلب جان سکے۔ یہ تحریری منظر نامہ کسی خیال کا سیاق وسباق اور حالات وواقعات پر مشتمل ہوتا ہے اور اس منظر نامے کا مقصد یہ ہوتا ہے کہ ہم جان سکیں کہ مصنف کی کہی ہوئی خاص بات کس خاص منظر کا حصہ تھی اور اسے کیوں پیش کیا گیا۔ خلیل صدیقی لکھتے ہیں "زبان کا کوئی بھی جزو ہو، اس کا ہر جزو اس وقت تک زندہ سمجھا جاتا ہے۔ جب تک وہ زبان زدہ رہتا، سنا اور یاد رکھا جاتا ہے"۔ ۲۳

ڈاکٹر ناصر عباس نیرّ اپنے ایک مضمون 'میشل فوکو اور ڈسکورس کی تشکیل' میں کہتے ہیں کہ فوکو نے آرکیالوجیکل اور جنیالوجیکل طریق کار کے مطابق کام کیا۔ ڈاکٹر ناصر عباس نیرّ انسانی علم اور وژن کو ساختیاتی پیداوار کا نتیجہ سمجھتا ہے۔ دوسرے ماہرین لسانیات کے مطابق فوکو انسانی تجربہ، زندگی، کائنات اور علم سے متعلق وژن کو الہامی قرار نہیں دیتا۔ انسانی علم اور وژن کو ثقافتی ساختیوں کے تناظر میں دیکھنے سے ہی ان کی کارکردگی کو نشان زدہ کرکے سمجھا جاسکتا ہے۔ ڈاکٹر ناصر عباس لکھتے ہیں کہ مشل فوکو کے نظریات ساختیانی اور پس ساختیاتی مفکرین سے ملتے جلتے نظر آتے ہیں۔ ۲۴

مشل فوکو کا تمام مطالعاتی مواد ڈسکورس "کلامیہ" ایک مرکز نہیں رکھتا۔ فوکو مرکز سے کسی بھی قسم کی وابستگی کے خلاف ہے اس کے نزدیک مرکزیت کا مطلب ایک اتھارٹی اور بنیاد کو قبول کرلینا ہے جیسا کہ پہلے بیان کیا جاچکا ہے کہ مشل فوکو کا فلسفہ طاقت کا علمبردار ہے۔ ۲۳ مشل فوکو کے پیش نظر مغربی ثقافت کی تاریخ وہ ہے جس میں وقتاً فوقتاً تبدیلیاں ہوتی رہی ہوں۔ مشل فوکو اس بات پر متفق ہے کہ جب کسی ایک حکومت کا تاریخی دور کا خاتمہ ہوتا ہے تو دوسرے دور کا آغاز کا کسی نظریے یا فلسفے کی تحت نہیں ہوتا۔ بلکہ اس کے پیچھے سماجی طاقت کے عوامل کارفرما ہوتے ہیں۔ مشل فوکو کے لامرکزی ڈسکورس کی وجہ سے مشل فوکو کی آئیڈلوجی کا تعین بھی مشکل ہے۔

مشل فوکو کے مطابق ہر ڈسکورس طاقت کے زیر اثر پیدا ہوتا ہے۔ طاقت ایک مادی شئے کا نام ہے، طاقت اور سیاست دونوں ساتھ ساتھ چلتے ہیں۔ طاقت کے اثر سے ہی سیاست وجود میں آتی ہے۔ مشل فوکو کے نظریات بیسویں صدی کے ضابطہ علم کی ہی پیداوار ہیں۔ دنیا میں کسی طاقت سے پیدا ہونے والا ڈسکورس تاریخ، سماج اور سیاسی بندشوں کا نتیجہ نہیں ہوتا، بلکہ ان کے پیچھے ایسے قوانین ہوتے ہیں جو ڈسکورس کے اندر مخفی رہ کر یہ طے کرتے ہیں کہ کیا کیا جاسکتا ہے گویا کوئی بھی ڈسکورس کا وجود اپنے قوانین کے تحت ہی نمودار ہوتا ہے۔

ہیگل اور مشل فوکو کے نظریات ڈسکورس کے حوالے سے مختلف ہیں فوکو ڈسکورس کو طاقت سے تعبیر کرتا ہے وہ ایک عہد کا تعلق دوسرے عہد کے ساتھ بذریعہ طاقت کرتا ہے، فوکو ضابطہ علم کے تصور کو ایک اہم نقطے کے طور پر استعمال کرتا ہے اور یہ ضابطہ علم ان ان اصولوں اور قوانین کا مجموعہ ہوتا ہے جو ایک خاص زمانے میں تمام علمی سائنسی اور لسانی سرگرمیوں کے باعث تشکیل پاتے ہیں جب کہ ہیگل کے مطابق فکر کا دائرہ کار انسانی شعور کی طرح ہے جس کو انسان سیکھتا ہے یاد کرتا ہے اور آگے پہنچا دیتا ہے۔ وہ خیال کی وحدت پر یقین رکھتا ہے۔

نوم چومسکی (Noam Chomskey):

نوم چومسکی ایک امریکی ماہرین لسانیات، فلسفی اور مورخ تھے۔ نوم چومسکی نے تولیدی قواعد کے اصول واضح کیے اور ان کے اسی کام کی بدولت ریاضی اور نفسیات کے شعبہ جات میں بہتری ہوئی۔ ۱۹۵۰ء میں نوم چومسکی نے ایک انقلابی نظریہ پیش کیا، اس نظریے کا بنیادی مدعا زبان کے حوالے سے تھا انہوں نے یہ خیال پیش کیا کہ تمام زبانوں کا اوریجن ایک ہی ہے اور ان کے ان نظریات کی بنیاد پر لسانیات کے شعبے کا آئن سٹائن مانا جاتا ہے۔ نوم چومسکی کے مطابق زبان سب سے پہلے کسی انسان کے دماغ میں ہوتی ہے، جب کوئی بھی انسان اپنے الفاظ کے ذریعے زبان کا استعمال کرتا ہے تو وہ ڈسکورس بن جاتا ہے۔

''The Responsibility of Intellectuals' کے نام سے نوم چومسکی نے ایک مضمون لکھا۔ جس کو ۲۳ فروری ۱۹۶۷ء میں امریکہ کے شہر نیویارک ریویو آف بکس کے خصوصی ضمیمہ کے طور پر شائع کیا گیا ہے۔[۲۴] اس مضمون کو لکھنے کا مقصد کویت نامی جنگ کے حالات و واقعات کا تحریری بیان تھا۔ جدید لسانیات میں قواعد کے تصورات پرانی قواعد سے کچھ لحاظ سے مختلف تھے۔ ان میں سے ایک ماہرین لسانیات ایسے الفاظ کی تلاش کرتا ہے۔ جن کو لسانیاتی سطح پر رکھ کر جانچنے کی کوشش کی جاتی ہے۔ اس قسم کے تجزیاتی مطالعے کو قواعد یا توضیحی لسانیات مانا جاتا ہے، نوم چومسکی نے جدید لسانیات میں قواعد کے حوالے سے بہت کام کیا۔ جدید لسانیات کے تقاضوں کو مد نظر رکھ نوم چومسکی نے اردو قواعد کے حوالے سے کچھ شرائط مرتب کی ہیں۔

نوم چومسکی کی جدید لسانیاتی قواعد کے بارے میں دی گئی شرائط مندرجہ ذیل ہیں۔

ا۔ قواعد کی پہلی شرط یہ ہونی چاہیے کہ اس قواعد کے ذریعے ایسے جملوں کی تشکیل کی جاسکے، جو درست ہوں نیز قواعد میں یہ خصوصیات بھی پائی جائے۔ جیسے ہم قواعدی اور غیر قواعدی جملوں کے فرق کو بیان کر سکیں۔

۲۔ اس کی دوسری شرط جدید لسانیاتی قاعدوں پر ان الفاظ کو پرکھنا ہے جو کہ توضیحی قواعد کے زمرے میں آتا ہے۔اس طرح کی قواعد درست جملہ بندی کے ساخت جملوں کی ساختی بیان میں بھی مددگار ثابت ہوتی ہے۔

۳۔ نوم چومسکی نے جدید لسانیاتی قواعد کی تیسری شرط یہ بتائی ہے کہ ایسی قواعد لفظوں اور جملوں کے بیانیہ اکتفا پر مشتمل ہو گی، ایسی قواعد ایسی زبان کا استعمال کرے گی جس کی مدد سے ہم ان قاعدوں کو استعمال میں لا کر بہترین قواعد کے انتخاب میں مدد حاصل کر سکتے ہیں۔

"آواز دوست" کے نام سے ایک برقی صفحہ پر لکھے جانے والے مضمون میں کلامیہ "ڈسکورس" کا جو مفہوم بتایا ہے۔ان کے مطابق کلامیہ زبان و بیان کا ایک چھوٹا سا ٹکڑا ہے۔ جس کے ابلاغ کو مکمل طور پر سمجھنے کی کوشش کی جاتی ہے۔[۲۵] آسان لفظوں میں اگر اسی بات کی وضاحت کی جائے تو یوں کہا جاسکتا ہے کہ زبان ایک خود ایک ایسا اعضائی ٹکڑا ہے، جو اپنی ساخت اور معنی دونوں کے ذریعے جڑا ہوتا ہے، جس کی مثال کسی بھی مولوی کے دیے جانے والے خطبے سے دی جاسکتی ہے۔

کلامیہ کی تشکیل زبان کے ذریعے ہی ممکن ہے اور سماج میں استعمال ہونے والی زبان کلامیہ کی تشکیل میں اپنا اہم کردار ادا کرتی ہے، آج کے جدید دور میں کلامیہ کی اہمیت زیادہ ہو گئی ہے۔ کلامیہ نہ صرف ایک ابلاغی عمل ہے بلکہ یہ ایسی لہر ہے جو کئی ابلاغی اشکال کی تشکیل سے بنتی ہے۔ اقوام عالم میں کلامیہ مختلف صورتوں میں نظر آتا ہے مثلاً اسلام فوبیا، دہشت گردی کے خلاف جنگ، پاکستانی لیڈرز کا کرپٹ ہونا، اتحاد و امن قائم کرنا، خواتین عالمی مارچ وغیرہ۔۔ڈیوڈ کرسٹل کے مطابق "زبان کے دو پہلو ہیں ایک پہلو تفاعلی اور دوسرا رسمی۔ تفاعلی پہلو وہ ہے جو ہمارے سے تعلق رکھتا ہے جب کہ فارمل پہلو وہ ہے جس میں زبان کی ساخت کی بناوٹ کے طریقہ کار سے بحث کی جاتی ہے۔"[۲۶]

زبان کے اعضائی ٹکڑے سے پیدا ہونے والے ڈسکورس کی مثالوں میں کسی سیاست دان کی کسی موقع پر کسی جانے والی تقریر، کسی اخبار اور ویب سائٹس یا کسی بلاگ پر لکھے جانے والے مضمون، کسی ٹی وی میں پیش کیا جانے والا شو، کسی مصنف کا لکھا ہوا ناول، افسانہ اور کوئی نظم بھی شامل ہو سکتی ہے، "آواز دوست" کے نام سے برقی صفحے میں ڈسکورس کے حوالے سے بیان کی گئی تمام مثالیں ابلاغی ٹکڑے ہیں۔ جس کے ذریعے کسی بھی قاری تک اپنا مطلوبہ مفہوم پہنچایا جاتا ہے۔ تاکہ قاری کسی بھی لکھی ہوئی تحریر کا متن سمجھ سکے۔[۲۷]

یہ تحریری منظر نامہ کسی خیال کا سیاق و سباق اور حالات و واقعات پر مشتمل ہوتا ہے اور اس منظر نامے کا مقصد یہ ہوتا ہے کہ ہم جان سکیں کہ وہ خاص بات کس منظر کا حصہ تھی اور اسے کیوں پیش کیا گیا۔ ۱۹۸۰ء کی دہائی میں نوم چومسکی نے گفتگو کی اہمیت کو لسانیاتی مہارت قرار دیا۔[۲۸] دور حاضر مین نقاد اور مصنفین اور دیگر ماہرین لسانیات کی توجہ اس طرف مبذول ہو رہی ہے۔ یہ ان کا کارنامہ ہے کہ لوگوں کی اکثریت زبان کو کلامیہ کی حیثیت سے دیکھنے لگی۔ جس کا اپنا ایک سیاسی، سماجی اور تہذیبی پس منظر ہے۔

کسی بھی ریاست کی زبان اس کی پہچان اور عزت کا ذریعہ ہے، لہذا کسی بھی ریاست کی زبان کو اس کے سیاسی سماجی اور تہذیبی پس منظر سے الگ کر کے نہیں دیکھا جاسکتا۔ ۱۹۵۰ء میں لسانیاتی ادراکی انقلاب کا فرق واضع کرنے والا کردار نوم چومسکی ہی ہے۔ اس نے اپنے تصوارات سے یہ ثابت کرنے کی کوشش کی ہے کہ زبان اپنے آپ میں سائنس کا درجہ رکھتی ہے، ماہرین لسانیات بھی اس بات کی مسلمہ حقیقت کو سمجھتے ہیں کہ پیغامات کی ترسیل و تفہیم اور ابلاغ میں ذہین اور زبان کی اہمیت اپنی جگہ مسلم ہے۔

نوم چومسکی نے "Transformational theory" کو بھی متعارف کروایا۔ اس کے مطابق زبان کی اپنی ایک فطری نوعیت ہے۔ نوم چومسکی نے ۱۹۵۰ء کی دہائی میں یہ نظریہ پیش کیا کہ تمام زبانوں کی بنیاد ایک ہی ہے۔" [۲۹] کسی بھی زبان میں جو امتیازات اور اختلافات پائے جاتے ہیں ان کے پیچھے اظہار و ابلاغ اور فکر و خیالات کا تبدیل ہونا ہے جنہیں ذہنوں پر سوار کر دیا جاتا ہے، اس بات سے انکار ممکن نہیں کہ چھوٹے بچے کے لیے نئی زبان سیکھنا ایک آسان عمل ہے جب کہ نوجوانوں کے لیے لسانیات میں نئے تصوارات کی آمیزش ایک مشکل مرحلہ ہے۔

نارمن فیئر کلو (Norman Fairclough):

نارمن فیئر کلو نے ڈسکورس کو ان الفاظ میں بیان کیا ہے،

When the language is exposed then this is a discourse.[۳۰]

تنقیدی تجزیہ کلامیہ "کرٹیکل ڈسکورس اینالسز" پر کام کرنے والوں میں ایک اور ماہرین لسانیات نارمن فیئر کلو ہیں۔ نارمن فیئر کلو ۱۹۴۱ء میں پیدا ہوئے، آپ انگریزی زبان اور لسانیات کے ایک پروفیسر تھے جو اپنے فرائض کیئر یونی ورسٹی میں ادا کرتے رہے۔ آپ کا شمار سماجی لسانیات کے بانیوں میں ہوتا ہے۔ آپ کے نظریے کا بنیادی مقصد یہ باور کروانا تھا کہ کیسے کرٹیکل ڈسکورس اینالسز زبان کے ذریعے عمل کرتا ہے۔ نارمن فیئر کلو نے مندرجہ ذیل اصول وضع کیے ہیں۔ وہ اپنے نظریے تنقیدی تجزیے کلامیہ کو تین بنیادی مراحل میں تقسیم کرتے ہیں۔[۳۱]

۱۔ وضاحت (Description)

۲۔ تشریح(Interpretion)

۳۔ توضیح(Explanation)

۱۔وضاحت(Description):

نارمن فیئر کلو کا پہلا اصول وضاحت سے متعلق ہے۔ جب بھی ہم کسی متن "Formal linguistic" " کی مختلف ٹیکسٹ" کی رسمی لسانیاتی خصوصیات کا تجزیہ کرتے ہیں اس کی جانچ پڑتال کرتے ہیں۔ان خصوصیات کو مد نظر رکھ فیئر کلو مزید ۱۰ سوالات کی نشاندہی کرتے ہیں،ان کے اخذ کیے گئے۔۱۰ سوالات میں پہلے ۴ سوالات کسی بھی ٹیکسٹ میں استعمال ہونے والی زبان سے متعلق ہیں، کسی بھی متن کا تجزیہ کرتے ہوئے فیئر کلو کے بتائے ہوئے سوالات کسی دو اشخاص کے درمیان استعمال ہونے والی زبان اور الفاظ کے متعلق ہیں۔مثال کے طور پر عظمی خان کے ایک ناول "ٹرسٹ پاسنگ" میں اردو کے بے شمار الفاظ استعمال ہوئے ہیں۔ جن کا تعلق ہمارے اردو کلچر سے ہے، فیئر کلو کا دوسرا سوال استعمال شدہ الفاظ کی نوعیت کے متعلق ہے کہ استعمال کیے جانے والے الفاظ کی نوعیت کیا ہے۔ کسی بھی متن میں استعمال کیے جانے والے الفاظ کے مخفی پہلوؤں کو سامنے لانا بھی شامل ہے۔

کسی بھی متن میں استعمال کیے جانے والے الفاظ کے مخفی پہلوؤں کو سامنے لانا بھی شامل ہے۔ استعمال شدہ الفاظ،ان الفاظ کی نوعیت کا تعلق Lexical Form سے ہے۔ان تمام الفاظ کا تعلق لغت سے ہے۔ان کا مقصد لغوی معنوں کو لغت میں تلاش کرنا ہے۔فیئر کلو کے اگلے ۴ سوالات قواعد کے حوالے سے ہیں یعنی متن کے اندر استعمال کی جانے والی گرامر کس حوالے سے ہے۔ کسی متن کے اندر استعمال کے جانے والے جملے سوالیہ یا جوابیہ کس نوعیت کے ہیں۔ فاعل فعل مفعول میں سے کس نقطے پر زیادہ زور دیا جا رہا ہے، مثلا لڑکا "پتنگ اڑا رہا ہے" اس جملے سے ظاہر ہے کہ لفظ "پتنگ" پر زیادہ زور دیا جا رہا ہے اور ہماری ساری توجہ "پتنگ" پر ہے۔ نارمن فیئر کلو کے 'Structural texture' یعنی ساختی خصوصیات کو جاننے کا ایک مرحلہ ہے۔ کسی بھی متن میں کی 'جانے والی بات کی نوعیت کیا ہے؟ کسی متن میں استعمال ہونے والے جملوں کی ساخت کیسی ہے؟ فیئر کلو جملے کے ابتدائیہ، اندرونی متن اور اختتامیہ سے بھی معانی نکالنے کی کوشش کرتا ہے اس طرح فیئر کلو کے نظریات کا پہلا مرحلہ وضاحت مکمل ہوتا ہے۔

۲۔ تشریح(Interpretion) :

اس مرحلے میں ہم یہ جاننے کی کوشش کرتے ہیں کہ مصنف کا کسی تحریر کو لکھنے کا مقصد کیا ہے۔ کسی بھی متن کے اندر مصنف کی مخفی خیالات کو سامنے لانے کی کوشش کی جاتی ہے، مثال کے طور پر مصنف نے اس بات کا

اظہار کس مقصد کے پیش نظر کیا اور اس کے پس پردہ مقاصد کیا تھے۔ مصنف اپنے کردار کو عیاں کر کے اپنے مقاصد قارئین تک پہنچانے کی کوشش کرتا ہے جس کے لیے فیئر کلو 'Member resourse'' اصطلاح کا استعمال کرتا ہے۔ اس اصطلاح کا مطلب ایک شخص کے بولنے اور دوسرے شخص کے سننے کا لائحہ عمل ہے۔ متکلم کے ادا کیے ہوئے الفاظ، سننے والے تک پہنچنے سے پہلے انسانی ذہین تک پہنچتے ہیں۔ جس سے سننے والے کا دماغ جذباتی، احساساتی طور پر ان الفاظ کا تجزیہ کرنے کے بعد ان کے معانی تک رسائی حاصل کرے گا۔ ادا کیے ہوئے الفاظ کے معانی بلا واسطہ سننے والے تک نہیں جاتے بلکہ کچھ ذرائع سے سفر کرتے ہیں۔ اس تمام عمل میں یہ "ممبر ریسورسز" ایک بنیادی عمل ہے۔

اس تمام عمل میں ”Speech act Theory‘ کا استعمال ہوتا ہے اور "اسپیچ ایکٹ تھیوری" کے نظریے کو متعارف کروانے کا سہرا جے آر سیر ل(J.R Searle) اور جے ایل آسٹن (J.L Austin) کے سر ہے۔[۳۱]

ان ماہرین لسانیات کے مطابق بولنا" سپیچ" ایک عمل کا نام ہے۔ اس تھیوری میں ہی ممبر ریسورسز کے عمل کا کردار زیادہ شامل ہے۔ اس سلسلے میں جے ایل آسٹن اور جے آر سیر ل کی" سپیچ ایکٹ تھیوری بنیادی اہمیت رکھتی ہے، یعنی کس طرح ذہنی صلاحیت کو بروئے کار لا معانی تک رسائی حاصل کرنے کی کوشش کی جاتی ہے۔ اس تمام مرحلے میں مصنف متکلم کی توجہ معلوم کرنے کی کوشش کرتا ہے۔

۳۔توضیح(Explanation)

فیئر کلو کے اس تیسرے مرحلے پر کسی بھی ٹیکسٹ کا سماجی تجزیہ کرتے ہوئے ہم یہ بات سامنے لانے کی کوشش کرتے ہیں کہ دیے گئے متن میں کس سماجی مسئلے پر بحث کی جارہی ہے۔ کیا یہ متن مابعد نوآبادیت کی طرف اشارہ کرتا ہے یا جدیدیت کی طرف اشارہ کرتا ہے یا اس متن کا تعلق تانیثیت سے ہے۔ ہم یہ جاننے کی کوشش کرتے ہیں کہ ہیت میں کون سے سوشل مرکز موجود ہیں۔ مثال کے طور پر خالد حسین کے لکھے جانے والے ناول میں افغانستان کے اندر پیدا ہونے انتشار کو موضوع بحث بنایا گیا ہے۔ خالد حسین کے ناولوں میں معاشی اور سماجی زندگی کو موضوع بنایا گیا ہیں افغانستان میں بسنے والے پختون لوگوں کی مشکلات کا ذکر کرتے ہیں۔

خالد حسین کے ناول ”The Kite Runner“ میں ان لوگوں کے خلاف آواز اٹھانے کی کوشش کی گئی ہے۔ جو اپنے نظریات دوسروں پر تھوپنے کی کوشش کرتے ہیں۔

ارجمند آرا:

ارجمند آرا اپنی کتاب "نظریاتی ڈسکورس" میں لکھتی ہیں۔ لسانیات کی حد جملے پر ختم ہوتی ہے، لسانیات کے دائرہ کار میں آخری اکائی جملہ ہی ہوتی ہے، در حقیقت ایک جملہ لفظوں کا ایک نظام ہے مگر اس جملے کو لفظوں تک محدود نہیں کیا جاسکتا، اسی سبب سے ایک اور یجنل اکائی واضح کلام بنتی ہے جب کہ اس کے برعکس مربوط کلام یا ڈسکورس جملوں کی ایک سیریز یا تواتر کا نام ہے، ارجمند آرا ڈسکورس کے لیے "مربوط کلام" کی اصطلاح استعمال کرتی ہیں، جب کہ لسانیاتی نقطہ نظر سے مربوط کلام "ڈسکورس" میں ایسا کچھ بھی نہیں جو جملے میں نہ ملتا ہو۔

مارٹینی (Martinet) لکھتا ہے، "جملہ مختصر ترین وہ جز ہے، جو مربوط کلام کا منظم اور کامل ترجمان ہے "[۳۲] چناں چہ یہ ممکن نہیں کہ لسانیات جملے سے بعید تر کوئی مقعہ متعین کرے اس کی وجہ یہ ہے کہ جملے کے بعد محض مزید جملے ہوتے ہیں، لسانیاتی ماہرین اس کی مثال دیتے ہوئے لکھتی ہے کہ جب ایک ماہرین لسانیات ایک پھول کی تعریف متعین کرتا ہے تو وہ پھول کی وضاحت دینے کے لیے وہ گلدستے کا بیان نہیں کرتا، ڈسکورس یا مربوط کلام خود ایک منظم نظام ہے اور اس ترتیب و تنظیم کے ذریعے ہم کسی دوسری زبان کے معانی و مفاہیم تک رسائی حاصل کر سکتے ہیں۔

ڈسکورس ایک ایسی زبان ہے جو لسانیات کی زبان سے بعید تر اور اعلی سطح پر مصروف عمل ہے، مربوط کلام ڈسکورس چوں کہ جملے سے بعید تر لیکن صرف جملوں کا مجموعہ ہوتا ہے، لہذا اس کو قدرتی طور پر ثانوی لسانیات کا معروض سمجھنا چاہیے، مربوط کلام کی لسانیات کو در حقیقت ایک طویل عرصے خطابت جیسے نام سے منسوب کیا جاتا رہا ہے جب کہ خطابت کا لفظ کسی متن کی فصاحت بلاغت، خطبہ اور تقریر کے ساتھ منسلک ہے اور قاری کلامیہ کو ہم زبان کا ایک درجہ دیتے ہیں۔

مربوط کلام کی اصطلاح لسانیات میں ابھی ابھی استعمال کی جاتی ہے۔ لیکن ماہر لسانیات نے اس کے اصول وضوابط متعین کر دیے ہیں، مربوط کلام کا اپنا ایک معروض مطالعہ ہے لیکن اس کا مطالعہ بہر حال لسانیاتی بنیادوں پر کیا جانا چاہیے، جملے مربوط کلام کے مابین ایک متجانس ربط مانا جائے۔ اس صورت حال میں مربوط کلام میں ایک طویل جملہ ہوتا ہے، جس کی اکائیاں ضروری نہیں جملوں پر مشتمل ہوں۔ جس طرح ایک جملہ اپنی مختصر تصریحات کی بنا پر ایک مختصر مربوط کلام ہوتا ہے۔

دنیا کی کوئی بھی زبان مختلف آوازوں کی تشکیل سے بنتی ہے اور یہ آوازیں مل کر بامعانی ٹکڑے (صرفیے) بناتی ہیں۔ قواعد کی رو سے صرف اس علم کا نام ہے۔ جس میں الفاظ پر بحث کی جاتی ہے۔ علم "صرف" اکیلے لفظ پر بحث کرتا ہے جب کہ علم نحو میں مختلف کلمات کا آپس میں ربط معلوم کیا جاتا ہے۔ ڈیوڈ کرسٹل کے مطابق "زبان کے دو پہلو ہیں ایک ایک تفاعلی اور دوسرا رسمی۔ تفاعلی یا فنکشنل پہلو وہ ہے جو ہمارے سماج سے تعلق رکھتا ہے، اور سماج

میں سماج استعمال ہوتا ہے۔ جب کہ فارمل پہلو وہ ہے جس میں زبان کی ساخت کے بناوٹ کے طریقہ کار سے بحث کی جاتی ہے۔"ے

نحو کے درجے سے گزرنے کے بعد متنی معنیات اور سیاقی معنیات کا درجہ آتا ہے۔ جہاں کسی متن / ٹیکسٹ میں کی ہوئی بات فقرے کی حدود سے باہر نکل جاتی ہے۔ اس تمام عمل کو ڈسکورس یا کلامیہ کا نام دیا جاتا ہے۔

حوالہ جات

۱۔ علی آر فاتحی، تجزیہ کلامیہ (دہلی:جواہر لعل نہرو یونی ورسٹی، مئی ۲۰۰۳ء)، ص۔

۲۔ ایضاً۔

۳۔ ایضاً۔

۴۔ افق زہرہ، "Learn bselin .com/English language understanding *and Literature* تاریخ ملاحظہ ۲۰ دسمبر ۲۰۱۸ء۔

۵۔ محی الدین قادری زور، ہندوستانی لسانیات (لکھنو:شاہی پریس، ۱۹۴۰ء)، ص ۲۸۔

۶۔ www.idrisazad.com/DiscourseAnalysis ادریس آزاد، بتاریخ ۱۴ اکتوبر ۲۰۲۰ء، بوقت ۵ بجے۔

۷۔ ایضاً۔

۸۔ مولوی عبدالحق" دی اسٹینڈر انگلش اردو ڈکشنری (دہلی:انجمن ترقی اردو(ہند)، ۱۹۹۴ء)ص۔

۹۔ www.punjnud.com، مرزا خلیل احمد بیگ "تجزیہ کلامیہ: مسائل اور مباحث" ، بتاریخ ۱۲ فروری ۲۰۲۱ء، بوقت ۱۰:۰۰ بجے۔

۱۰۔ ایضاً۔

۱۱۔ ایضاً۔

۱۲۔ ایضاً۔

۱۳۔ ریاض احمد کٹھو، "بیانیہ تعریف وتوضیح" مشمولہ اردو ریسرچ جنرل، شعبہ اردو کشمیر یونی ورسٹی سری نگر، تاریخ ملاحظہ ۵ اپریل ۲۰۱۵ء۔

۱۴۔ مقدمہ از شکیل الرحمن" زبان اور کلچر "(سرینگر کشمر، شاہین بکسٹال:1958)ص۔17

۱۵۔ http://www.urdulinks.com، ابو شہیم خان "ایک تہذیبی اور لسانی مفاہمہ" ، بتاریخ یکم ستمبر ۲۰۱۶ء، بوقت ۴:۰۰ بجے۔

۱۶۔ https://youtu.be/mb.C8pG48، سجاد احمد، "کرٹیکل ڈسکورس اینالسز"، بتاریخ ۲۴ اگست ۲۰۲۰ء، بوقت ۳:۳۰ بجے۔

۱۷۔ ڈیبورا ٹینن(Deborah Tannen)، ہیڈی ای۔ ہملٹن(Heidi E. Hamilton)، ڈیبورا اشفرن (Deborah Schiffrin) *The Handbook of Discourse Analysis"*(انگلینڈ: جان ولی اینڈ سنز، ۲۰۱۵ء)۔
۱۸۔ http://topicexpress.com، پرویز ساحر "تجزیہ کلامیہ مسائل و مباحث مرزا"، بتاریخ ۱۲فروری ۲۰۲۲ء، بوقت ۱۰:۰۰ بجے۔
۱۹۔ www.punjnud.com، مرزا خلیل احمد بیگ "تجزیہ کلامیہ: مسائل و مباحث"، بتاریخ ۱۲ فروری ۲۰۲۲ء، بوقت ۱۱:۳۰ بجے۔
۲۰۔ http://ur.m.wikipedia.org، علم الانساب آزاد دائرہ المعارف وکی پیڈیا، بتاریخ ۴مارچ ۲۰۲۲ء، بوقت ۱۰:۰۰ بجے۔
۲۱۔ www.idrisazad.com، ادریس آزاد، "ڈسکورس اینالسز"، بتاریخ ۱۴اکتوبر ۲۰۲۱ء، بوقت ۱۲:۰۰ بجے۔
۲۲۔ ایضاً۔
۲۳۔۔ سہیل بخاری "تشریحی لسانیات"(لاہور: فضلی سنز، 1998)ص۔۶۸
۲۴۔۔ خلیل صدیقی "زبان کیا ہے"(ملتان: بیکن بکس، 1989)ص ۴۳ تا ۴۴
۲۵۔ www.talimizaviya.com.pk، ناصر عباس نیر، مشل فوکو اور ڈسکورس کی تشکیل،، بتاریخ ۲ مئی ۲۰۲۱ء، بوقت ۱۱:۴۵ بجے۔
۲۶۔ ڈیوڈ کرسٹل "لسانیات کیا ہے"(نئی دہلی: ترقی اردو بیورو، 2000)ص۔۶۴
۲۷۔ نوام چومسکی(Noam Chomsky)، *The Responsibility of Intellectuals* (نیویارک: یونائیٹڈ سٹیٹ آف نیو پریس، ۲۰۱۷ء)۔
۲۸۔ ایضاً۔
۲۹۔ http://awaz.e.dost.blogspot.com، ڈسکورس یا کلامیہ،، بتاریخ ۱۷ستمبر ۲۰۲۱ء، بوقت ۱۲:۴۵ بجے۔
۳۰۔ ایضاً۔
۳۱۔ www.punjad.com، مرزا خلیل احمد بیگ "تجزیہ کلامیہ: مسائل و مباحث،، بتاریخ ۱۲فروری ۲۰۲۲ء، بوقت ۱۰:۱۰ بجے۔

۳۲۔ https:\\ur.m.wikipedia.org،نوام چومسکی(Noam Chomsky)،بتاریخ ۱۰ جون ۲۰۲۱ء، بوقت ۱۱:۴۰۔

۳۳۔ https://youtu.be/mb.C8p2OG48، سجاد احمد "کریٹیکل ڈسکورس اینالسز" ، بتاریخ ۲۴ اگست ۲۰۲۱ء، بوقت ۱۲:۳۰ بجے۔

۳۴۔ ایضاً۔

۳۵۔ https//ur.dietzelmotel.com، سائنس "اسپیچ ایکٹ تھیوری"، بتاریخ ۲۴ اگست ۲۰۲۱ء، بوقت ۱۰:۳۴ بجے۔

۳۶۔ ارجمند آرا"نظری ڈسکورس "(دہلی: عرشیہ پبلی کیشنز، سن ندارد)ص۔

۳۷۔ محمد اشرف کمال"لسانیات اور زبان کی تشکیل"(فیصل آباد: مثال پبلیشرز، سن ندارد)ص۔48

۳۸۔ گیان چند جین"عام لسانیات"(نئی دہلی: قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان، 2003)ص۔62

۳۹۔ گوپی چند نارنگ"اردو زبان اور لسانیات"(رام پور: رضا لائبریری، 2006)ص۔

۴۰۔ اقتدار حسین خان"لسانیات کے بنیادی اصول"(علی گڑھ: ایجوکیشنل بک ہاوس، 1985)ص۔

باب دوم:

کشور ناہید: تعارفی مطالعہ

باب دوم:

کشور ناہید: تعارفی مطالعہ

کشور ناہید ایک شاعرہ، نثر نگار اور سماجی کارکن کے طور پر جانی جاتی ہیں۔ کشور ناہید کا شمار پاکستان کے ادبی حلقوں میں ہوتا ہے۔ وہ نہ صرف پاکستان کی معروف شاعرہ ہیں بلکہ ہندوستان کے ادبی حلقوں میں بھی ان کی اہمیت کچھ کم نہیں، شاعرہ ہونے کے ساتھ ساتھ ان کی نظر پاکستان کے سماجی اور سیاسی حالات پر بھی بہت گہری ہے۔ یہی وجہ ہے کہ وہ روزنامہ جنگ میں مسلسل کئی سال تک کالم لکھتی رہیں۔ ان کی آپ بیتی "کشور ناہید کی نوٹ بک" میں بھی سیاسی اور سماجی حالات پر مباحث ملتے ہیں۔ پاکستان نیشنل کونسل آف آرٹس میں بطور ڈائریکٹر جنرل کے علاوہ معروف ادبی جریدہ "ماہ نو' میں بھی انھوں قدمات انجام دی۔

سنہ ۱۹۴۰ء میں بھارت کے ایک شہر اتر پردیش میں آپ کی پیدائش ہوئیں۔ تقسیم ہند کے بعد کشور ناہید نے اپنے خاندان کے ہمراہ پاکستان ہجرت کی اور لاہور شہر میں سکونت اختیار کی۔[1] عام ہندوستانی گھروں کی طرح ان کا گھرانہ بھی قدامت پسند تھا۔۔ ان کے والد نے مڈل تک تعلیم حاصل کی۔ مڈل کے بعد تعلیم کو خیر آباد کہا اور انھوں نے ملازمت کی راہ لے لی اور ایک ہندوراج گھاٹ نرودا کے مینجر بھرتی ہوگئے۔ کشور ناہید کی والدہ دینی تعلیم میں دلچسپی رکھتی تھیں اس لیے انھوں نے گھر میں ناظرہ قرآن کریم اور بہشتی زیور جیسی کتابیں پڑھیں۔ کشور ناہید کی والدہ تعلیم حاصل کرنے کی خواہش مند تھیں اسی وجہ انھوں نے اپنی اولاد کو تعلیم دلوانے کی کوشش کی۔

کشور ناہید کے نانا کا نام فضل الرحمان تھا جو وکالت کے پیشے سے منسلک تھے۔ حیرت یہ ہے کہ وہ خود پڑھے لکھے ہونے کے باوجود لڑکیوں کی تعلیم کے سخت خلاف تھے۔ اپنے گھریلو سخت حالات کے برعکس کشور ناہید ایک کھلے ذہن اور روشن خیالات کی حامل خاتون ہیں۔ ان تمام گھریلو پابندیوں کے برعکس کشور ناہید نے اپنی ایک الگ شناخت قائم کی۔ کشور ناہید کا گھرانہ پردے کا پابند تھا۔ اس لیے ان کے گھر کی ہر عورت پردے کی پابند تھی، مگر کشور ناہید نے اس قدامت پسند گھر سے نکلنے کے بعد ساری زندگی آزادانہ گزاری۔ جہاں ان کے گھر میں لڑکیوں کو کم عمری میں برقع پہنا دیا جاتا۔ وہاں کشور ناہید کو بھی برقعے کا پابند بنایا گیا۔ مگر کشور ناہید نے ایک انٹرویو میں اس بات کی تصدیق کی تھی کہ "گھر سے نکلنے کے بعد وہ برقع اتار دیتی تھی۔"[2]

بھارت کے شہر یوپی کے ایک تنگ نظر گھرانے میں جنم لینے اور پرورش پانے کے باوجود وہ ایک روشن خیال شخصیت ہیں۔ ان کے نظریات میں بے پناہ جدت موجود ہے۔ تعلیم حاصل کرنے کا شوق اور شعر کہنے کا ذوق قدرت کی طرف سے ایک تحفہ تھا۔ اسی شوق کی تکمیل کے لیے انھوں نے زمانہ طالب علمی سے ہی کوششیں شروع کیں۔ زمانہ طالب علمی میں ہی انھوں نے مختلف اخبارات میں کالم لکھنا شروع کر دیے۔ آزاد اخبار اور ویو پوائنٹ اخبارات میں آپ نے کالمز لکھے۔

مندرجہ بالا سطور میں اس بات کی نشاندہی کی گئی ہے کہ کشور کا تعلق ایسے گھرانے سے تھا جو لڑکیوں کی تعلیم کے حق میں نہ تھا لہٰذا میٹرک کی تعلیم حاصل کرنے کے بعد، کشور کو مزید تعلیم سے روک دیا گیا لیکن وہ اپنی ہمت اور ضد کے بل بوتے پر کالج میں داخلہ لینے میں کامیاب ہو گئیں۔ اس طرح انھوں نے اپنی تعلیم کا سلسلہ جاری رکھا۔ کالج کے دوران ہی کشور نے شعر و شاعری کی صنف میں طبع آزمائی شروع کی اور تعلیم کے ساتھ ساتھ شعر کہنا شروع کیے۔ تعلیمی سفر کے ساتھ ساتھ کالج میں منعقد کی جانے والی غیر نصابی سرگرمیوں تقاریر اور بیت بازی میں وقتاً فوقتاً حصہ لیتی رہیں۔

کشور ناہید کا گھریلو ماحول سخت ہونے کی وجہ سے باقاعدہ ان کی حوصلہ شکنی کی گئی انھیں اپنے گھر والوں کی طرف سے شدید مخالفت کا سامنا رہا لیکن وہ ایک باہمت اور نڈر خاتون کی طرح اپنے مقاصد کی تکمیل کے لیے نہ صرف ڈٹی رہیں بلکہ کوشاں بھی تھیں۔ ان کی یہ خوبی نہ صرف ان کے زمانہ طالب علمی میں نظر آتی ہے بلکہ ان کی ذاتی زندگی اور ملازمت کے دور میں بھی اس خوبی کے آثار بہت گہرے ہیں۔

اس طرح ان کا ادبی سفر جاری رہا اور وقفے وقفے سے ان کا کلام مختلف رسائل اور اخبارات کی زینت بنتا رہا۔ لاہور سنگ میل پبلیکشنز سے بہت عرصہ جڑی رہیں۔ ادبی حلقوں میں لوگ ان کو آپا کے نام سے جانتے ہیں۔ انہوں نے خواتین کے حقوق کے لیے مختلف جگہوں سے آواز اٹھائی۔ ان کا اردو ادب میں کیا جانے والا کام مختلف زبانوں میں ترجمہ کیا جا چکا ہے۔ انھوں نے بہت سی شاعری، نثر نگاری کی کتابوں کے ساتھ اپنی سوانح عمری بھی لکھی۔ وہ مختلف رسائل اور اخبارات میں کالم لکھتی ہیں۔

گریجویشن کے بعد کشور نے ایم۔ اے میں داخلے کی ٹھان لی۔ باغیانہ پن ان کی طبیعت میں بچپن سے شامل تھا مگر اپنی والدہ کی بدولت وہ ہر مشکل پر قابو پا لیتیں۔ بہت تگ و دو کے بعد کشور ناہید نے لاہور کی پنجاب یونی ورسٹی میں ایم اے معاشیات میں داخلہ لے لیا۔ ایم اے کے دوران ہی کشور ناہید کی ملاقات یوسف کامران سے ہوئی ۔یوسف کامران اور کشور ناہید ہم جماعت تھے۔ دونوں کی شناسائی رفتہ رفتہ دوستی میں تبدیل ہو گئی۔ کشور ناہید اور

یوسف کامران مشاعروں میں ایک ساتھ جایا کرتے تھے۔ ایم اے معاشیات کے سال دوم میں ان کی یوسف کامران سے دوستی کا علم ان کے گھر والوں کو ہو گیا۔

ایم۔اے کے دوران کشور ناہید اور یوسف کامران کا نکاح پڑھوا دیا گیا۔ مگر کشور اور یوسف کی زندگی کا یہ سفر اتنا خوشگوار نہ رہا۔ کشور ناہید اور یوسف کامران کے دو بیٹے ہیں۔ ہارٹ فیل ہونے کے باعث ۹ مارچ ۱۹۸۴ء میں یوسف کامران کا انتقال ہو گیا۔[۳] انتقال کے وقت وہ سعودی عرب میں بسلسلہ ملازمت مقیم تھے۔ یوسف کامران کے بعد باقی کی زندگی کشور ناہید نے تن تنہا گزاری۔

کشور ناہید کی شاعری کا سفر رفتہ رفتہ پختہ ہوتا چلا گیا اور وہ اپنی شاعری میں اپنے جذبات و احساسات سمونے میں کامیاب ہو گئیں۔ کشور ناہید نے اپنی شاعری کو اپنے جذبات کے بیان کے لیے ڈھال بنا لیا۔ تقسیم ہند سے وابسطہ خواتین کی عصمت دری اور اغوا سے متعلق واقعات سے آپ باخبر ہیں اور یہی وجہ ہے کہ ان کی شاعری کا بنیادی موضوع صنف نازک ہے۔ ان کے بنیادی موضوعات عورت کے حقوق، اس کے جذبات و احساسات اور معاشرے میں عورت کا مقام و کردار ہے۔ نسوانی جذبات اور نسوانی مسائل کا اظہار اپنی شاعری میں کھلم کھلا کیا۔ وہ نسوانی جذبات و مسائل جن کا اظہار کرنے میں شرم محسوس کی جاتی ہے۔ عام لکھاری ان خیالات کا اظہار کرنے سے کتراتا ہے۔ کشور ناہید نے ان خیالات کو کھل کر بیان کیا۔

کشور ایک حقیقت پسند خاتون تھیں اور ان کی شاعری اس بات کی گواہ ہے کہ وہ ہمیشہ خود کو معاشرے اور حالات کے جبر کا شکار نہیں ہونے دیتیں۔ ایک نڈر اور دلیر خاتون کی طرح معاشرے کے طنز اور تنقید کا سامنا کرتی ہیں۔ وہ اس معاشرے میں عورت کو اس کا حق دلانے کے پر آمادہ ہیں جہاں کا مرد اس معاشرے پر قابض ہے۔ اس معاشرے میں عورت کے ساتھ روا رکھی جانے والی ناانصافیوں پر کھل کر بات کرتیں نظر آتی ہیں۔ وہ ان ناانصافیوں کو چھپانے کے درپے نہیں تھیں بلکہ تلخ و ترش الفاظ کے استعمال سے صاف گوئی سے کام لیتیں۔ اسی وجہ سے اکثر ناقدین ان کی شاعری کو کھردری اور سپاٹ قرار دیتے ہیں۔[۴] ان کی شاعری پاک و ہند کی ایک عام عورت کی آواز ہے۔

زاہدہ حنا لکھتی ہیں "کشور ناہید وہ حوصلہ ہے جسے زندہ رہنا چاہیے"[۵] کشور نے جب شاعری اور نثر لکھنے کی ابتدا کی ان کے وہم و گمان میں بھی نہ ہو گا کہ وہ "اللہ میاں سے شکوہ کیسے کروں" اور "ہم گنہگار عورتیں" جیسی کتابیں لکھ کر ادبی سرمائے میں خاطر خواہ اضافہ کریں گی۔ اگر پرانی تاریخ کو اٹھا کر دیکھا جائے تو نہ صرف ادب کی تاریخ بلکہ تمام تاریخوں پر مرد مرکزیت نظر آتی ہے۔ اسی وجہ سے ادب کی دنیا میں تانیثی شعور نظر نہیں آتا۔ اب جب سے

خواتین نے ادب کی دنیا میں خود لکھنا، تنقید و تجزیہ کرنا شروع کیا، تو اندازہ ہوا کہ ڈپٹی نذیر احمد کے ناولوں میں تراشی ہوئی عورت کا وجود ابھی باقی ہے۔

ہمارے ٹی وی ڈراموں میں بھی ایسی ہی عورت کو دیکھایا جاتا ہے۔ جو عورت نیکی کا پتلا ہے وہی دوسری عورت بدی کا مجسمہ بنی دیکھائی دیتی ہے۔ڈپٹی نذیر احمد کی اکبری اصغری کا دور آج بھی باقی ہے۔ آج بھی معاشرے میں عورت کو ان دو حوالوں سے پہچانا جاتا ہے۔ تمیز دار بہو اور بد تمیز بہو کا تسلسل اور تکرار آج معاشرے میں اسی طرح ہی ہیں جیسے تقسیم ہند سے پہلے تھا۔ لیکن اب عورت کا مقام بدل چکا ہے، وہ ترس کھائے جانے والی عورت نہیں رہی۔ اب اس کے ہاتھ میں قلم کی دولت اور ذہین میں روشنی ہے۔ قانونی اور سماجی طور پر عورت ایک خود مختار بن چکی ہے۔

کشور ناہید اس معاشرے کی عورت کے لیے بے پناہ کام کرنے کے باوجود وہ خود کے لیے حقوق نسواں کی علمبر دار کہلوانا پسند نہیں کرتیں۔ کشور ناہید کی آپ بیتی "کشور ناہید کی نوٹ بک "میں اس بات کا تذکرہ ملتا ہے کہ جب جنرل ضیاء الحق کے دور میں مارشل لاء لگایا گیا تو اس وقت کشور ناہید لاہور کے اندرونی علاقوں کی خواتین کے لیے کام کرنے لگیں۔ وہ خواتین کا درد محسوس کرنے کی صلاحیت رکھتی تھیں۔ انھوں نے ایک دیہات میں کام کرنے والی خاتون اور ایک شہر میں نوکری کرنے والی عورت کے دکھ کو خوب سمجھا۔

چار سال قبل کشور ناہید نے "عورت کہاں غائب رہی ہے" کے نام سے ایک مضمون لکھا ہے، جس میں وہ عورت کے معاشرے میں مقام کو تفصیلا بیان کرتی ہیں۔ وہ کہتی ہیں کہ "ہمارا آج کل کا میڈیا عورتوں کا تجزیہ کچھ اس طرح سے کرتا ہے "عورت مامتا کی دیوی ہے اور سوتیلی ماں ظالم اور سوتیلے باپ کے بارے میں کچھ نہیں کہا جاتا۔"[۱۱]

ہمارے معاشرے میں عورت کو صنف نازک کا نام اور مقام و مرتبہ برائے نام دیا جاتا ہے۔ جب کہ دن بھر عورت گھر کے کاموں میں جسمانی مشقت کرتی ہے۔ گھر کے کاموں میں کی جانے والی جسمانی مشقت میں اس سے زیادہ سخت جان کوئی نہیں۔ ہمارے یہاں اکثر اس مفروضے کا ذکر ملتا ہے کہ عورت گھر داری سنبھالتی ہے جب کہ مرد کماتا ہے اور باہر کے کام کاج سنبھالتا ہے۔ اس معاشرے کی دیہی اور چھوٹے شہروں کی عورت امور خانہ میں مردوں کے شانہ بشانہ کام کرتی ہیں۔ کھیت کھلیان۔ اینٹوں کے بھٹوں اور گھروں میں کام کر کے روزی روٹی کماتی ہیں ۔جب انہی خواتین کے مرد چارپائی توڑنے کا کام کرتے ہیں۔

کشور ناہید اس معاشرے سے سوال کرتی ہیں کہ عورتوں پر گاہے بگاہے کئی مضامین لکھے جاتے ہیں ان کے کردار کو واضح کرنے کے لیے ان پر ڈرامے بنائے جاتے ہیں تو ان مردوں پر کیوں نہیں کچھ لکھا جاتا جب مردوں پر

لکھنے کی ٹھانی جائے تو حکومت ہی بدل دی جاتی ہے۔" اسرار الحق مجاز اردو ادب کے مشہور و معروف عشقیہ شاعر ہیں، انھوں نے عورتوں کے حوالے سے ایک نظم "نوجوان خاتون سے خطاب" لکھی جس کا ایک شعر کچھ یوں ہے،

ترے ماتھے پہ یہ آنچل بہت ہی خوب ہے لیکن
تو اس آنچل سے ایک پرچم بنا لیتی تو اچھا تھا[7]

کشور ناہید اسرار الحق مجاز کی اس حقیقت کو آشکارا کرتے ہوئے لکھتی ہیں کہ "یہ وہی مجاز ہیں جو علی گڑھ میں کالے برقعے کے پیچھے عورت کے حسن کو اپنے نظموں کو موضوع بناتے ہیں، وہ عورتوں کے حسن کی تعریف کرتے ہیں، جیسے ہی زمانہ اپنے رنگ بدلتا ہے۔ "[8] قیام پاکستان کے بعد منٹو " قانون" اور "ٹوبہ ٹیک سنگھ " جیسی کہانیاں لکھتا ہے، ان عورتوں کے بارے میں لکھا جاتا رہا جو تقسیم ہند کے وقت اغوا کی گئی یا وہ عورتیں جنہیں ہندوستان میں ہی قید کر دیا گیا۔ ان عورتوں کو ان کے خاندانوں نے قبول نہ کیا۔

ایک عورت کے لیے وہ تمام کٹھن حالات تھے ،جب عورتوں نے گھر گھر جا کر نوکری کرنا شروع کی۔ اردو ادب کی دو اہم لکھاریوں خدیجہ مستور اور حاجرہ مسرور نے ان عورتوں پر کہانیاں لکھیں۔ برصغیر پاک و ہند کی آزادی کی جدوجہد میں خواتین نے بھی بھرپور حصہ ڈالا ،ایک عام گھریلو عورت ہو یا، ایک سیاسی کارکن یا ایک مصنفہ کسی کی خدمات کو فراموش نہیں کیا جا سکتا۔ اس جدوجہد کا اظہار خدیجہ مستور کے ناول ' آنگن" میں بہت ہی دلچسپ انداز میں دیکھایا گیا ہے۔ ممتاز شیریں، جمیلہ ہاشمی، خیر النساء جعفری، انور تاج اور خالدہ حسین نے ۱۹۶۰ء کی دہائی سے لے کر آج تک وہ سارے رنگ دیکھائے، جو ظاہری طور پر کچھ اور باطنی طور پر کچھ اور نظر آتے ہیں۔

قیام پاکستان کے کچھ سالوں بعد ایک ۱۹۷۱ء میں ایک بار پھر پاکستان میں بٹوارہ کیا گیا۔ بنگلہ دیش اور پاکستان ،بنگلہ دیش کے قیام کے دوران بنگالی عورتوں پر جو ظلم کیے گئے وہ کسی سے ڈھکے چھپے نہیں۔

کشور ناہید نے اپنے اسی مضمون "عورت کہاں غائب رہی ہے" میں خواتین اور کم سن بچیوں کے ساتھ ہونے والی سفاکانہ ذیاتی اور کم سنی کی شادی پر بھی بحث کی ہے، جو آج کے ہمارے جدید معاشرے میں ناسور بنتا جا رہا ہے، زیادتی کے واقعات آئے روز اخبارات اور ٹی وی پر نشر کیے جاتے ہیں۔ کم سنی کی شادی دیہی علاقوں کا اہم مسئلہ ہے بالخصوص سندھ کے پس ماندہ علاقے اس کی لپیٹ میں ہیں۔ دنیا کا ضمیر جگانے میں ادیبوں اور صحافیوں کا بہت اہم کردار ہے۔ قراۃ العین حیدر کے ناول "گردش رنگ چمن" میں ان عورتوں کی کہانیاں بیان کی گئی ہیں، جو انگریزوں کے حاوی ہونے پر محلوں کو چھوڑ کر نیپال میں جائے پناہ تلاش کرتی رہیں۔[9]

کشور ناہید نے ایکسپریس اردو کو دیے جانے والے انٹرویو میں کہا تھا قائد کا فرمان کام، کام اور بس کام' جب کہ میں اپنے احباب کو لکھو، لکھو اور لکھو" کا کہتی ہوں۔[1] بہت سارے لکھاری لکھنے کے فن کو شروع میں مشکل خیال کرتے ہیں، در حقیقت لکھنا ایک مشکل امر ہے، خاص طور پر تب جب معاشرے کے تلخ حقائق کا بیان تحریری صورت میں کرنا ہو۔ آپ نے جب سیمون دی بوائر کی کتاب "دی سیکنڈ سیکس" کا ترجمہ اردو میں کیا تو اس کتاب پر پابندی لگا دی گئی اور کشور ناہید اس وقت سرکاری ملازم تھیں۔ آپ کے خلاف گرفتاری کے وارنٹ جاری کر دیے گئے تھے۔

اس کتاب کے ترجمے کی پاداش میں کشور ناہید پر مقدمہ چلایا گیا۔ ضمانت کی منظوری اس حالت میں دی گئی جب اس کتاب کو "سوشیالوجی" کی کتاب قرار دیا گیا۔ کشور ناہید کی نظموں کے تراجم دنیا بھر میں کیے گئے۔ آپ نے اپنی زندگی کے حالات و واقعات کو ایک آپ بیتی کی صورت "بری عورت کی کتھا" کے نام سے لکھی۔ معاشرے میں وہ ایک دبنگ عورت کے طور پر مشہور ہیں۔ آج تک کسی مرد مصنف میں برے مرد کی کتھا لکھنے کی ہمت نہیں ہوئی۔ کشور ناہید نے اس آپ بیتی میں اپنے تمام حالات و واقعات کا تجزیہ کیا ہے۔

اسی آپ بیتی میں "بری عورت کی کتھا" میں ان تمام حالات کا جائزہ بھی لیا گیا ہے، ایک عورت جن تبدیلیوں سے گزرتی ہے، ایک ننھی منی کم سن بچی سے وہ کس طرح عورت بننے کا سفر طے کرتی ہے، اس دوران پیش آنے والے تمام واقعات کی تفصیل سے گریز کرتی ہیں۔ وہ قاری کو اشاروں کنایوں سے بات سمجھانے کی کوشش کرتی ہیں، تاکہ قاری اشاروں کو سمجھ کر خود سے تجزیہ کرنے پر قادر ہو۔ "بری عورت کی کتھا" ایک فرد کی نہیں بلکہ ایک معاشرے کی کہانی ہے۔ بد قسمتی ہم اس معاشرے کا حصہ ہیں۔ جہاں بڑی سی بڑی بات کو نظر انداز کر دیا جاتا ہے اور چھوٹی چھوٹی باتوں پر رنجشیں جنم لیتی ہیں۔ کشور کی یہ کتاب فلسفیانہ اسلوب لیے ہوئے ہے۔

اس آپ بیتی میں انھوں نے اپنے جذبات کی عکاسی کھل کر کی ہے۔ ایک جگہ وہ لکھتی ہیں کہ " آج کا شخص خود اپنی پہچان سے ہی قاصر ہے۔ نہ وہ فطرت کا قائل ہے اور نہ ہی فطرت کا مداح ہے، علاوہ ازیں وہ خود بھی اپنے آپ کو پہچان نہیں رہا۔ وہ شخص ان تمام سوالات میں الجھا ہوا ہے کہ وہ کون ہے؟ اس کی ہستی کیا ہے؟ اس کی اپنی پہچان کن چیزوں سے ہے؟ اس کی منزل کیا ہے؟ اسے کون سا رستہ اختیار کرنا چاہیے؟ اس کے وجود کی دریافت کون کرے گا؟"[11] اس طرح کے تمام مسائل کا ذکر انھوں نے اپنی آپ بیتی میں کیا ہے۔

مزید وہ اس فلسفے کو بیان کرتی ہیں کہ انسانی نظریات کس قدر اہم ہیں۔ یہ ہمارے نظریات ہی ہیں جو انسان کو پھانسی کے تختے پر پہنچا سکتے ہیں۔ ان کی یہ آپ بیتی فرد پرستی کی وجہ سے پیدا ہونے والے انتشار، مسائل اور فسادات کا ذکر بھی کرتی ہے، ابتداء سے اب تک مذہب کے نام پر پیدا ہونے والے انتشار اور فسادات کے ذمہ دار ہمارے

فرقہ پرست طبقات ہیں۔ یہ فرقہ پرست طبقات مختلف فرقوں میں بٹ کر ایک دوسرے کے نظریات کے خلاف ہیں۔

ایک فرقہ دوسرے فرقے کو کافر تصور کرتا ہے اور یہی سے تشدد کی ابتدا ہوتی ہے جو ملک و قوموں کے لیے پریشانی کا باعث بنتی ہے۔ انھوں نے اس دور کا ذکر بھی کیا ہے جہاں ہندوستان میں بسنے والے مختلف مذاہب کے لوگ مل جل کر رہتے تھے۔ ہندو مسلم اپنے تمام تہوار باہمی محبت سے مناتے تھے۔ ان کے درمیان کسی قسم کا فرقہ وارانہ تعصب نہ تھا۔ انسانیت اور احساس کا رشتہ قائم تھا۔ انسان کا تعلق کسی مذہب یا فرقے سے ہی کیوں نہ ہو لیکن بطور فرد انسانیت کا رشتہ سب سے پہلے آتا ہے۔

ہندوستان میں بسنے والی تمام قومیں، ان کا مذہب کیا ہے" وہ کس قوم سے تعلق رکھتی ہیں؟ ان کا فرقہ کیا ہے ؟ وہ کس مسلک سے منسلک ہیں؟ رنگ و نسل سے بالاتر ہو کر انسانیت کو ہی اپنا شعار بنانا چاہیے۔ تقسیم ہند سے پہلے مختلف مذاہب سے تعلق رکھنے والے لوگ ایک دوسرے کے مذہب کو عزت کی نگاہ سے دیکھتے اور ایک دوسرے کے مذہب کا احترام کرتے تھے۔ تمام مسلم اور ہندو قومیں بلاتعصب مل جل کر رہتیں۔ لڑکے لڑکیاں مل جل کر کھیلتے، بڑے ذوق وشوق سے مل جل کر ایک دوسرے کے مذہبی تہوار مناتے۔ محرم کے دنوں کا احترام کرتے۔

دیوالی، ہولی اور عیدین جیسے تہوار مسلمانوں اور ہندو دونوں کے لیے خوشی کا باعث ہوتے تھے۔ کونڈے ایک گھر میں بنے ہوتے تھے۔ مخصوص موقعوں پر ساری ساری رات مسلم ہندو خواتین پکوان تیار کرتیں۔ مجلس ہو یا تعزیہ نکلنا سب کی یکساں قدرو منزلت تھی۔ کئی صدیوں تک مسلم ہندو مل کر ایک ہی ملک میں امن وسکون کی زندگی بسر کرتے رہے۔ ایک دوسرے کے دکھ سکھ میں شریک ہوتے۔ ہر مذہبی تہوار کی یکساں قدرو منزلت تھی ۔ مذہبی انتشار اور فسادات نہ ہونے کے برابر کے تھے۔

اسی طرح کشور ناہید کی ایک آٹو بائیو گرافی "کشور ناہید کی نوٹ بک" جو ۲۶ اپریل ۲۰۱۴ء کو سنگ میل پبلی کیشنز لاہور سے شائع ہوئی۔ اس چھوٹی سی ۹۲ صفحات کی آپ بیتی میں کشور ناہید نے اپنے ماضی کی یادوں کو بیان کیا، وہ یادیں جو ان کی ملازمت پیشہ زندگی سے وابستہ ہیں۔ جو ماضی کی تلخ اور میٹھی دونوں یادوں کو لیے ہوئے ہے۔ اپنی ملازمت کے تمام تر اچھے اور برے واقعات اس آپ بیتی کا حصہ ہے۔ کہیں کہیں بہت سرسری ساذکر ان کی ذاتی زندگی سے متعلق بھی ملتا ہے۔ پہلے پہل کشور ناہید نے اپنی ان یادوں سے بھاگنے کی کوشش کی۔ لیکن دور جدید کے حالات میں نوجوان لڑکیوں کو جن مسائل سے دوچار دیکھا۔ ان کی ہمت بڑھانے کے لیے اس آپ بیتی کو لکھ ڈالا۔ ماضی کی یادوں سے بھاگنے کی بہت کوشش کی مگر بھاگ نہ سکی۔

یاد ماضی عذاب ہے یارب
چھین لے مجھ سے حافظہ میرا[۳۱]

لیکن یہ حقیقت بھی اپنی جگہ سالم ہے کہ ہر شخص کے لیے ماضی کی یادیں عذاب نہیں ہوتی، کشور نے اپنی زندگی میں بہت کچھ دیکھا، سنا اور سمجھا۔ لیکن وہ اپنی مصروفیت کی وجہ سے اسے رقم نہ کر سکی۔ جب زندگی کے کچھ اوقات میں فرصت کے لمحات ملے تو اس مصنفہ، شاعرہ اور سرکاری اہلکار نے اپنی تمام یاداشتوں کو" کشور ناہید کی نوٹ بک" کے عنوان سے محفوظ کر لیا۔ اس کے علاوہ اس نوٹ بک میں پاکستانی سیاست کے اتار چڑھاؤ کو بھی بیان کیا گیا۔ مختلف حکومتوں کی تبدیلی، سیاسی اور سماجی حالات میں تبدیلی، مارشل لاء کے دنوں کی سختیاں اور سنسر شپ ان کا بیان بخوبی ملتا ہے۔ مارشل لاء کے دوران ادیبوں پر لگائی گئ پابندیوں کا ذکر بھی ملتا ہے۔

کشور ناہید کو کچھ عرصہ جب سرکاری نوکری سے برطرف کیا گیا ان دنوں کشور مختلف دیہات میں عورتوں کے لیے جاتی رہیں اور وہاں کے حالات کا مشاہدہ کرتیں رہیں۔ انھوں نے اپنی اس آپ بیتی" کشور ناہید کی نوٹ بک" میں دیہات میں مرد وزن کے تناسب کے بارے میں بیان کیا ہے۔ مارشل لاء کے دوران انھوں نے لاہور کے اندرونی علاقوں کی خواتین کے لیے کام کیا وہاں بہت سی ایسی خواتین انھیں دیکھنے کو ملی۔ جو اپنی روزی روٹی کمانے کے لیے کپڑوں کی سلائی کا کام کرتی تھیں۔ وہ قمیض کی سلائی آٹھ آنے جب کہ ایک شلوار دو روپے میں سیتی تھیں۔

اس کتاب میں کشور نے بہت سی ایسی شخصیات کا ذکر کیا ہے جو ایک قاری کے لیے بالکل انجان ہے مگر کشور نے بھی ان شخصیات کا تعارف نہیں کروایا جس سے پڑھنے والے کو مکمل واقعے کی گہرائی جاننے میں مشکل ہوتی ہے۔ مگر انھوں نے کئی جگہ یہ بات بیان کی کہ اس کتاب کو وہ بہت مختصر رکھنا چاہتی تھیں۔ شاید یہی وجہ ہے کہ بہت سے افراد کا تعارف اس کتاب میں نہیں ملتا۔

اس کتاب میں تاریخ کے تمام سیاست دانوں بھٹو کا دور حکومت، جنرل نیازی، جنرل یحیی خان، نواز شریف اور بیگم بے نظیر بھٹو کے دور کے واقعات کا اکثر جگہوں پر اس کا ذکر ملتا ہے۔ کشور ناہید کی اس آپ بیتی پر تبصرہ کرتے ہوئے ہارون الرشید نے لکھا ہے کہ "کشور ناہید کا کہنا ہے کہ وہ مستقبل میں آپ بیتی کے اگلے ایڈیشن کا نام 'سرکاری نوکری کی پوٹلی' رکھنا چاہتی ہیں۔"[۳۲]

کشور ناہید نے اپنے ماضی کو کبھی فراموش نہیں کیا۔ اس کتاب کے ابتدائیہ میں وہ لکھتی ہیں کہ:

یہ جو میں لکھ رہی ہوں تاریخ نہیں ہے۔ یہ کسی بادشاہ کے دور کی کہانی نہیں ہے۔ البتہ میری جیسی کمزور عورت نے نوکری کے بیشتر سال آمرانہ حکومتوں کے دور میں گزارے ہیں۔۔ میرے اندر اتنے زخم ہیں کہ خلیل جبران کے کہنے کے باوجود ماضی کو فراموش نہیں کر سکتی ہوں۔ [۱۴]

کشور ناہید کے اندر جو تڑپ تھی۔ اس نے انہیں قلم اٹھانے پر مجبور کیا، اس آپ بیتی لکھنے کا مقصد ملازمت پیشہ خواتین اور نوجوان بچیوں کو درپیش مسائل سے آگاہ کرنا تھا۔ اس آپ بیتی کو لکھنے کے پیچھے وہ عوامل بھی ہیں جو سرکاری دفاتر میں موجود افسر حضرات کی وجہ نوجوان بچیوں کو درپیش ہیں۔ دفتر میں کام کرنے والی خاتون کا مجسمہ نکال کر، جگہ جگہ اس پر ہاتھ پھیر کر گفتگو شروع کرتے ہیں۔

جاگیر داروں اور وڈیروں کے نظام پر بھی تنقید کرتی ہیں وہ اپنے وطن کی عورت کے ساتھ معاشرے کے اوسط درجے کے مرد کو بھی مظلوم قرار دیتی ہیں۔ ہمارے ملک کی آبادی کے ستاسی فیصد مرد کھیتی باڑی کرتے ہیں اور ملک میں اناج کی کمی کو پورا کرتے ہیں۔ ہمارے ملک کی تیرہ فیصد آبادی وڈیروں پر مشتمل ہے۔ ایک غریب کسان دن رات رات محنت مشقت کرتا ہے، ان کو ان کی محنت کے مطابق زرمبادلہ نہیں دیا جاتا جب کہ ہمارا اشرافیہ طبقہ اس اناج کو باہر ممالک میں بیچ کر عوام کی محنت کا دوگنا منافع حاصل کرتا ہے۔

یہ تیرہ فیصد اشرافی طبقہ غریب کسان کی محنت کا سودا کر کے خود آسائشوں کی زندگی بسر کرتا ہے۔ ان کے بچے مہنگے انگریزی سکولوں میں پڑھتے اور مہنگی گاڑیوں میں گھومتے ہیں۔ نہ صرف اس معاشرے کی عورت بلکہ اس معاشرے کا ستاسی فیصد محنت کش طبقہ بھی بے نام ہے۔ ہمارے ملک و معاشرے میں عورت کی بظاہر اپنی کوئی الگ پہچان نہیں ہے وہ اپنے وابستہ رشتوں سے اپنی ایک شناخت پاتی ہیں۔ کشور ناہید ایک سوال معاشرے کی طرف اٹھاتی ہیں، "ایک عورت، ماں، بہن، بیوی اور بیٹی ہے مگر کیا وہ خود بھی کچھ ہے؟" [۱۵]

کشور ناہید کا کام دنیا کی مختلف زبانوں میں ترجمہ ہو چکا ہے۔ ملک روم میں انھیں باقاعدہ مشاعروں کے لیے مدعو کیا جاتا رہا۔ مگر بدقسمتی سے سرکاری ملازم ہونے کی وجہ سے حالات ناساز تھے، انھوں نے بہت سے یونی ورسٹیوں کا دورہ کیا جہاں بھی نوجوان لڑکیاں کھڑے ہو کر ان کی نظم "ہم گنہگار عورتیں" پڑھنا شروع کر دیتیں۔ مگر بدقسمتی سے وہ اپنی ہی جامعہ میں جمعیت کے طلبہ کی وجہ سے نہ جا سکیں۔ جہاں انھوں نے اپنی زندگی کا انتہائی سنہرا دور گزارا۔ جہاں ان کی ملاقات فیض احمد فیض، عابد علی عابد احسان دانش اور پطرس بخاری جیسی شخصیات سے ہوئی۔

تصانیف:

* خواتین افسانہ نگار (۱۹۳۰ء سے ۱۹۹۰ء تک)

* وحشت اور بارود میں لپٹی
* بری عورت کی کتھا (آپ بیتی)
* بے نام مسافت
* لب گویا
* خیالی شخص سے مقابلہ
* سیاہ حاشیے میں گلابی رنگ
* زیتون
* بری عورت کے خطوط (نازائیدہ بیٹی کے نام)
* باقی ماندہ خواب
* عورت خواب اور خاک کے درمیان
* عورت زبان خلق سے زبان حال تک
* سوختہ سامانی دل
* میں پہلے جنم میں رات تھی
* لیلیٰ خالد
* کلیات دشت قیس لیلیٰ
* ورق ورق آئینہ
* گمشدہ یادوں کی واپسی
* تنہائیاں اور رسوائیاں
* زخم برداشتہ
* عورت مرد کا رشتہ
* کشور ناہید کی نوٹ بک
* گستاخی

کشور ناہید کی شاعری:

شعر کہنے کا ذوق و شوق کشور ناہید کو اللہ کی طرف سے ایک تحفہ تھا،اور یہی وجہ ہے کہ کشور ناہید کے شعر کہنے کا آغاز زمانہ طالب علمی سے ہی ہو گیا تھا۔ انھوں نے اپنے قلم کو کسی مقصد کے تحت استعمال کیا۔ ان کی شاعری کا مرکز ہمارے سماج کے کمزور طبقات ہیں۔ یہ وہ کمزور طبقات ہیں جنہیں زندگی گزارنے کے بنیادی حقوق بھی میسر نہ تھے۔ ان کے ہاں کے کمزور طبقات میں عورت کا سب سے زیادہ عمل دخل ہے۔ان کی ہاں تانیثی نظریہ محض ایک فیشن کے طور پر نہیں آیا بلکہ وہ عملی طور پر جدوجہد کرتی نظر آتی ہیں۔

کشور ناہید کی شاعری کا سب سے اہم موضوع تانیثیت ہے،"تانیثیت کا لفظ لاطینی لفظ "فیمنا' سے ہے جس کا مطلب "عورتوں کے حقوق" کے طور پر استعمال ہوتا ہے۔ "[۱۶]یورپ میں تانیثیت کا آغاز پندرھویں صدی میں ہی ہو گیا تھا۔لیکن اردو میں یہ تحریک ساٹھ اور اسی کی دہائی میں آئی،غالبا ۱۹۶۰ء اور ۱۹۸۰ء کے عرصے میں اردو ادب میں منظر عام پر آئی۔اس تحریک کا مقصد یہ تھا کہ عورتوں کو زندگی کے تمام شعبوں میں آزادی کا حق حاصل ہے۔وہ آزادی اور عزت جو اسلام نے عورت کو عطا کی جس کی مثال دنیا کے کسی اور مذہب میں نہیں ملتی۔

کشور ناہید کی شاعری اس حوالے سے اہم ہے کہ ان کی شاعری اس عورت کی شاعری ہے۔جو اپنے حقوق کا بخوبی علم رکھتی ہے،اور اپنے حقوق کی تلفی پر آواز اٹھاتی ہے۔کشور ناہید کی شاعری کا ایک اہم نکتہ یہ ہے کہ ان کی شاعری میں ایک دبنگ عورت کا لہجہ ملتا ہے۔اس طرح ان کی شاعری ان کی شخصیت کی عکاسی بھی کرتی ہے۔ان کی نثری نظمیں اس بات کی ترجمانی کرتی ہیں ان کی نظم "سوختہ سامانی دل" میں وہ ایک روایتی عورت کی کوکھ کو قسمت اور تقدیر کے سپرد کرنے کی قائل نہیں ہیں۔وہ ایک عورت پر ہونے والے ظلم و ستم پر احتجاج کرتی ہیں۔اس مثال یوں دیکھی جا سکتی ہے،

مجھے اپنی کوکھ سے کبھی محبت نہیں رہی
محبت تو تب ہوتی
جب اس کوکھ سے جنم لینے والوں،یا اس کوکھ کو بھر دینے والوں نے
کبھی بھروسے اور محبت کا یقین دلایا ہوتا[۱۷]

کشور ناہید کی نظموں اور غزلوں میں تانیثی شعور نظر آتا ہے۔وہ یہ بات خوب جانتی ہیں کہ عورت معاشرے میں ظلم و ستم کا شکار ہو کر بھی چپ کی چادر اوڑھے رکھتی ہے۔بظاہر وہ کچھ نہیں کہتی،کرتی لیکن اپنی بے بسی پر دل ہی دل میں نوحہ کناں ہے۔ہمارے معاشرے میں مرد کی انا نے عورت کو کبھی برابری کی سطح پر نہ آنے دیا۔لاشعوری طور پر بھی مرد عورت کو احساس کمتری میں مبتلا رکھتا ہے۔اسی وجہ نے مرد اور عورت کے درمیان فرق

کی دیوار کو اونچا کر دیا۔ مگر جہاں معاشرے نے عورت کی انا کو کچلا وہیں عورت بھی صنف نازک بنی بیٹھی رہی اور بجائے معاشرے کے خلاف سخت قدم اٹھانے کہ ان کی ہر زیادتی کو فرمابرداری اور صبر سے سہتی رہی۔

ایک عورت کا اپنا مزاج، شخصیت اور نفسیات ہیں، جن کو مرد مرکزی معاشرہ دبانے کی کوشش کرتا ہے۔ کشور ناہید اس بات کا ذکر اپنے انٹرویو میں کرتی ہیں، لڑکی کے پیدا ہوتے ہی اس سے ٹھیک برتاؤ نہیں کیا جاتا، انھیں بچپن ہی سے اس بات کے لیے تیار کیا جاتا ہے کہ وہ اپنے بھائی کی خدمت گزار رہیں۔ جب وہ گھر آئے تو اس کے لیے پانی لائے، روٹی اس کے سامنے رکھے، اسکے کپڑے استری کر کے دے غرض اس کے سارے کام کرے، لیکن جب کھانا کھایا جاتا ہے تو لڑکوں کو ترجیح دی جاتی ہے لڑکے کے لیے سالن دوگنا ہوتا ہے اس کو دو بوٹیاں دی جاتی ہیں اور بیٹی کو ایک ایک۔ لڑکا لڑکی میں یہ فرق شروع سے ہی ہمارے ذہنوں میں ڈالا جاتا ہے۔

ان کا آدم جی انعام یافتہ مجموعہ "لب گویا" میں بھی عورت کے روایتی عشق کی منظر کشی کرتا ہے جس کو بازار کی زینت بنادیا جاتا ہے۔۔ "لب گویا" ان کی شاعری کا پہلا مجموعہ ہے جو ۱۹۶۹ء میں شائع ہوا۔[۱۸] اور دیکھتے ہی دیکھتے یہ شعری مجموعہ عروج کی بلندیوں تک جا پہنچا۔ عوام میں اس مجموعے کو بہت مقبولیت ملی۔ کشور کا فن تحریر دوسروں شاعروں ادیبوں سے الگ تھلگ ہے۔ وہ اپنی شاعری میں اپنے جذبات و احساسات میں ڈوب کر لکھتی ہیں، یہی وجہ ہے کہ وہ ایک عورت کے جذبات کی بہترین عکاسی کرنے پر قادر ہیں۔ ان کی تحریروں میں ایک ایسی کشش ہے کہ قاری ان کی تحریروں کا اسیر ہو جاتا ہے، کشور ناہید کی کتاب "سوختہ سامانی دل" اور "بے نام مسافت" سے مثالیں دیکھیں۔

میں ایک ہاتھ سے دیوار کیسے تھاموں گی
لہو میں غرق ہے دست دعا نیام تلک[۱۹]

رشتہ جاں ہے
فقط سانس کی زنجیر کا نام
رشتہ دل ہے فقط آنکھ کی تحریر کا نام
رشتہ خوں ہے
فقط اپنی ہی تصویر کا نام [۲۰]

کشور اپنی شاعری میں نہ صرف خود عورتوں کے حقوق کے لیے آواز اٹھاتی ہیں بلکہ اپنے ہم عصر شعرا کو بھی اس بات کی طرف راغب کرتی ہیں کہ وہ عورتوں کے حقوق پر قلم اٹھائیں اور عورتوں کے حقوق کی آواز دنیا کے

مختلف کونوں تک پہنچائیں۔ ان کی خدمات اپنے ہم عصر خواتین کو بھی یہ باور کروانے کی کوشش کرتی ہیں کہ تم معاشرے میں ایک جیتا جاگتا شخص ہو، تم اس معاشرے میں کوئی موم کی گڑیا نہیں ہو نہ ہی کوئی لکڑی یا پتھر کا ٹکڑا ہو جس کا جب دل چاہیے اٹھا کر یاں وہاں کر دے، تم ایسی کیوں ہو کہ محبت کے چند الفاظ تمھیں بہکا دیتے ہیں۔ اپنے حقوق کو پہچانو، سہارے کی تلاش تمھیں معذور بنا دے گی۔

کشور ناہید اپنے خیالات و نظریات کی بدولت تانیثی نقطہ نظر اور مذہبی کٹر پن کی مخالفت کی وجہ سے مشہور ہیں۔ ہمارے معاشرے کی عورت سہمی ہوئی عورت ہے، جس کو فرسودہ رسم ورواج اور روایات نے بہت مضبوطی سے جکڑا ہوا ہے۔ معاشرہ اسے کم عقل اور جاہل ہونے کے طعنے دیتا رہتا ہے۔ اس طعنہ زنی کا ایک عورت کی نفسیات پر اتنا گہرا اثر پڑتا ہے کہ وہ حقیقت میں خود کو کم عقل، جاہل خیال کرنے لگتی ہے۔ جو اس عورت کے نفسیات پر انتہائی گہرا اثر چھوڑتے ہیں۔ بچپن سے سنے گئے طعنے اس کی شخصیت کو بری طرح مسخ کرتے ہیں۔

بہت سی خواتین اپنی ذہانت اور فن کا اظہار کھل کر نہیں کر سکتی۔ جب معاشرے کی ایک سہمی ہوئی عورت نے لکھنا شروع کیا تو اس کے موضوعات گھریلو زندگی کے معاملات اور ذاتی دکھ سکھ تھے ان کی تحریروں میں ہندوستان کی تہذیب کے رنگ بھی کہیں کہیں ملتے ہیں، عورت نے جب ادبی دنیا میں قدم رکھا تو اس معاشرے کے مردوں نے اس کی تخلیقی صلاحتیوں کو سراہا نہیں۔ ایک عورت کے لیے شعر کہنا نہایت معیوب خیال کیا جاتا تھا۔ مگر سب سے دلچسپ امر یہ ہے کہ خواتین لکھاریوں نے لکھنے کی ابتداء ہی شعر وشاعری سے کی۔ نثری ادب کی تخلیق تو انیسویں صدی کے آواخر میں ہوئی، جب کہ شاعری میں عورت سترھویں صدی سے ہی عروج پر تھی۔

کشور ناہید کا شمار بھی ایک ایسے ہی افقی سطح پر نمودار ہونے والے ستارے میں ہوتا ہے۔ یہ دور وہ تھا جب خواتین شعراء کا شاعری میں اپنی داخلی جذبات کے اظہار کو برصغیر پاک وہند کے معاشرے میں خاطر خواہ پذیرائی نہ ملتی۔ اگر ایک عورت اپنی شاعری میں اپنے جذبات کا اظہار کر دے تو ہمارے معاشرے کے مرد اسے بے شرمی کا رنگ دے دیتے۔ ہندوستانی معاشرے میں انیسویں صدی کا اخری دور اور بیسویں صدی کے اوائل میں عورتوں کے لیے کی گئی اصلاحی کوششوں کا دور ہے۔ کشور ناہید بھی ہندوستانی معاشرے کی ایک ایسی عورت ہے جس نے اپنی پختہ ارادی، ہیٹ دھرمی اور ضد سے خود کو منوایا۔ اس راستے میں انھوں نے بہت سی آزمائشوں کو بھی برداشت کیا، جن کو ایک عام عورت کبھی سہہ نہیں سکتی۔ اسی وجہ سے وہ اپنے مقاصد کو حاصل کرنے میں کامیاب ہو گئیں۔

کشور ناہید عورتوں کی ہمدرد اور علم بردار شاعرہ کے طور پر نمودار ہوئیں۔ وہ اپنی مختلف تحریروں سے عورتوں کو ان کے حقوق سے آگاہ کرتی ہیں۔ وہ عورت کو یہ باور کروانے کی کوشش کرتی ہیں کہ ایک عورت کی ساری عمر مرد کو خوش کرنے اور بچوں کی خدمت میں گزر جاتی ہے۔ ان کے اس شعور دینے کی کوشش کی بدولت انیسویں

صدی میں عورتوں کے حقوق کی یہ لہر ایک تحریک کی صورت اختیار کر گئی۔اس تحریک نے خواتین کے مسائل اور ان پر ہونے والے ظلم و تشدد کا کھلم کھلا اظہار کیا۔ جس کے نتیجے میں عورتوں پر بند ملازمتوں کے دروازے کھل گئے اور اب انھیں اپنی قابلیت منوانے سے کوئی نہیں روک سکتا تھا۔

یوسف عالم گیر نے روزنامہ "دنیا" میں کشور ناہید کے حوالے لکھا ہے کہ "انھوں نے ساری عمر ایک عورت ہونے کے باوجود یک مرد کی طرح بسر کی، انھوں نے جب ادبی دنیا میں قدم رکھا تو ادب پر قابض مرد حضرات نے انھیں خوش آمدید نہیں کہا۔ الٹا انھیں وقتاً فوقتاً تنقید کا نشانہ بناتے رہے۔ مگر وہ ایک بہادر اور نڈر خاتون تھیں۔ وہ اتنی کمزور اور لاچار نہ تھیں کہ ان تیر و نشتر سے گھبرا کر اپنا ارادہ بدل لیتیں اور اپنے مقصد سے پیچھے ہٹ جاتیں۔ تمام مشکلات اور پریشانیوں کے باوجود انھوں نے اپنا علمی و ادبی سفر جاری رکھا۔ اس کے ساتھ ساتھ انھوں نے مرد حضرات کا بھی ڈٹ کر مقابلہ کیا۔

انھوں نے جس دور میں جنم لیا وہ زمانہ عورت کی پابندی کا تھا کشور ناہید نے اپنا بچپن بھی ایسے ہی ماحول میں بسر کیا۔ جہاں چچازاد، ماموں زاد، پھوپھو زاد اور خالہ زاد سے بات کرنے کی آزادی تک نہ تھی۔ بچیوں کو سکول کی تعلیم دلوانا معیوب خیال کیا جاتا تھا۔ کشور نے تب کہانیاں، رسالے اور کتابیں پڑھنا شروع کی۔ یہاں تک کے انھوں نے انگریزی اور اردو کی لغات بھی پڑھ ڈالیں۔ اسی وجہ سے ان کی شاعری میں مرد معاشرے کے خلاف مزاحمت ملتی ہے۔ ان کی شاعری مزاحمتی شاعری کہلاتی ہیں، ان کی نظم "ہم گنہگار عورتیں" ایک ترانے کی طرح گھر گھر پڑھی جانے لگی۔ اور وہ خواتین کے درمیان قبولیت کا درجہ حاصل کر گئیں۔

کشور ناہید نے نظمیں لکھیں، نثر لکھی اور تقریریں بھی کیں، غرض وہ سب کچھ کر ڈالا جس کا ایک عام عورت تصور بھی نہیں کر سکتی۔ باغیانہ پن تو کشور ناہید میں شروع سے تھا۔ ان میں بڑے سے بڑے قدم اٹھانے کا حوصلہ تھا۔ وہ ایسی دل گردے والی خاتون تھیں جو لوگوں کے ڈر کو خود پر سوار نہ ہونے دیتیں۔ اپنی تمام عمر انھوں نے اسی دلیری سے گذاری۔ وہ لوگوں کی تنقید کی وجہ سے اپنا سفر روکنے والوں میں سے نہ تھیں۔ کشور ناہید کا ایک نظریہ تھا جو وہ سوچتی تھیں خود سوچتی تھیں۔ یہی وجہ ہے کہ وہ ملامت اور علامت دونوں کا شکار رہیں۔ جو لوگ ان پر کھلم کھلا مخالفت نہ کر سکے۔ ان لوگوں نے مختلف علامتوں کے زریعے ان پر طنز کے نشتر برسائے۔

کشور کو تنقید کا نشانہ ان کی ذاتی زندگی، ادبی زندگی اور دفتری زندگی میں بھی بنایا گیا۔ کشور کو جیل کا منھ دیکھنا پڑا لیکن وہ اسے بھی نہ گھبرائیں، ان کے والد مسلم لیگ کے ایک رکن تھے جس کی وجہ سے انھیں کئی بار جیل جانا پڑتا۔ لہذا کشور کی شناسائی بہت پہلے ہی جیل سے ہو چکی تھی۔ اس لیے وہ ان چیزوں سے خوف نہیں کھاتیں۔

انھوں نے اپنی شاعری میں ایک عورت کی نفسیات کی بہترین عکاسی بھی کی۔ کشور ناہید نے ایک فرانسیسی ناول نگار سیمون دی بوا کی ایک اہم کتاب "دی سیکنڈ سیکس" کا ترجمہ کیا۔ سیمون دی بوا کا تعلق پیرس سے ہے آپ وجودی تحریک کے عالم بردار اور ایک عظیم ناول نگار ہیں۔ سارتر کے بعد سیمون کو پذیرائی حاصل ہے۔ ان کی کتاب "دی سیکنڈ سیکس" دو جلدوں پر مشتمل ہے۔ کشور ناہید نے ان کی کتاب "دی سیکنڈ سیکس" کا ترجمہ "عورت ایک نفسیاتی مطالعہ" کے عنوان سے کیا۔ اس کتاب کو دو حصوں میں تقسیم کیا گیا ہے۔ اس کتاب کے پہلے حصے میں حقائق و تصورات جب کہ دوسرے حصے میں عورت کی آج کی زندگی کو زیر بحث لایا گیا ہے۔

کشور ناہید کی زندگی کا مقصد عورتوں میں مساوی آزادی کا خیال و احساس اور عورت میں بیداری پیدا کرنا تھا۔ اور اسی وجہ سے انھوں نے بہت سے نظمیں بھی لکھیں اور اسی غرض انھوں نے سیمون دی بوا کی کتاب کا ترجمہ بھی کیا، سیمون کی یہ کتاب تمام تضادات اور اختلافات کے باوجود عورت کا معاشرے میں صحیح مقام اور حیثیت واضح کرتی ہے۔

اردو ادب میں عورت کے وجود کو، اس کی ذہنی نفسیات، اس کے مطالبات، اس کی حسیت اور پیچیدگیوں کو بولنے کی قوت کشور ناہید نے عطا کی۔ ان کے علاوہ بھی دوسری مصنفین عصمت چغتائی، زاہدہ حنا کا شمار بھی ایسی لکھاریوں میں ہوتا ہے۔ جنھوں نے مردوں کے درمیان رہ کر معاشرے کو مردوں کی مکاریوں اور سازشوں سے آگاہ کیا۔ آپ بیسویں صدی کی اولین تانیثی ناول نگار ہیں عصمت نے ناولوں کے ذریعے عورتوں کے نفسیاتی و جنسی مسائل کا ادراک کیا ہے۔ وہ اپنی تخلیق کے ذریعے معاشرے کے ایسے حقائق پیش کرتی ہیں جنھیں نظر انداز نہیں کیا جا سکتا۔

ان تمام لکھاریوں جنھوں نے خواتین کے حق میں لکھا ہے، وہ خواتین میں جدت پسندی اور اعتدال پسندی کے روایے کو فروغ دینا چاہتی تھیں۔ وہ انھیں معاشرتی ظلم و جبر سے آزاد کرنا چاہتی تھی۔ وہ ایک عورت میں یہ جرات پیدا کرنا چاہتی تھیں کہ وہ اپنے حق کے لیے معاشرے میں اپنی آواز بلند کر سکے۔ عورت کو معاشرے میں ایک فرد کی حیثیت دینی چاہیے تاکہ معاشرے میں قائم مرد وزن کے فرق کو ختم کیا جا سکے۔ زندگی کے بنیادی معاملوں میں کی جانے والی حق تلفی کو روکا جا سکے۔ ان ادبی لکھاریوں نے بین الاقوامی سطح پر بھی آواز اٹھائی تاکہ عورت سے روا رکھا جانے والا ناروا سلوک، اس پر کیا جانے والا جنسی استحصال، غیر مساوی روایہ، منافقانہ روایہ کو ختم کیا جا سکے۔

> ورجینا وولف کا خیال تھا کہ عورتوں کو بالخصوص تعلیم یافتہ بیٹیوں کو ہدایت دی ہے کہ ایسے سماج کی تعمیر و تشکیل کریں جس سے مرد "مرد مرکزیت" کے ڈسکورس کو ختم چیلنج کیا جا سکے۔ [۲۱]

عورت اس معاشرے کا اہم فرد ہے اور اسے اپنی زندگی اپنی مرضی سے گزارنے کا پوار پورا اختیار ہمارے مذہب اور قانون کی طرف سے دیا گیا ہے۔ کشور ناہید کی کتاب " عورت ایک نفسیاتی مطالعہ" میں مردوں کی نفسیات کو اس طرح بیان کیا گیا ہے کہ عورت جب پیدا ہوتی ہے تو وہ ہر قسم کے صفات سے پاک ہوتی ہے وہ صفات جو ہمارے معاشرے نے اس کے لیے متعین کر دیے۔ وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ عورت ان صفات میں خود بخود ڈھلنا شروع ہو جاتی ہے۔ وہ انہی صفات کو اپنے لیے متصف سمجھنے لگتی ہے۔ سیمون اپنی کتاب میں عورتوں کی ذہنی افزائش اس طرح سے کرتا ہے کہ ایک عورت مردوں کی تنگ نظری کو نا کر سکے۔

کشور ناہید کی شاعری میں بھی اگر دیکھا جائے تو وہ تخصیص سے کام لینے کے بجائے تعلیم پر زیادہ زور دیتی ہیں۔ وہ معاشرے کی عام عورت کے خیالات و جذبات کو ڈھکے چھپے الفاظ سے نہیں بلکہ ایک نئے انداز سے دنیا کے سامنے لانے کی کوشش کرتی ہیں۔ وہ عورت کو اس کا وہ مقام دلانے کی کوشش کرتی ہیں جو اسلام نے عورت کو دیا۔

ہمارے معاشرے میں عورت کو جائز مقام دلانے کے لیے ضروری ہے کہ عورت کے وجود، نفسیات اور جذبات کو تسلیم کیا جائے۔ بد قسمتی سے ہمارا آج کا مرد معاشرہ اس سے انکاری ہے۔ کشور ناہید اپنی شاعری کے ذریعے معاشرے کو اس سوچ سے آگاہ کرتی ہیں کہ اگر مرد باہر ک معاملات سنبھالتا ہے تو عورت پورے گھر کا نظام سنبھالتی ہے۔ عورتوں کو گھریلو کام تک مخصوص کر دیا گیا ہے جب کہ عورت گھر کے کام کاج کے ساتھ بیرونی کام بھی بہت خوش اسلوبی سے نبھا سکتی ہے۔ عورت کو "پاک دامن اور حیا کے پیکر" کے القابات دے کر اس کو ثقافت سے جوڑ دیا جاتا ہے اور یوں ایک عورت کو تابعدار اور محکوم بنا کر اس کے جذبات پر قابو پا لیا جاتا ہے۔

پاک دامنی جہاں عورت کے وجود کا حصہ ہونا چاہیے وہیں مرد کے اندر بھی اس صفت کا ہونا لازم و ملزم ہے۔ پاک و ہند کی نوے فیصد خواتین خود اپنے وجود کو تسلیم کرنے سے قاصر ہیں اور ساری زندگی اپنے مرد کی ماتحت بن کر گزار دیتیں ہیں۔ آج اکیسویں صدی میں عورت اور مرد دونوں نجی اور سرکاری دفاتر میں اپنے فرائض انجام دیتے ہیں ۔ مگر پھر بھی عورت پڑھی لکھی اور باشعور ہونے کے باوجود تضحیک آمیز نظروں کا سامنا کرتی ہے۔ کشور اپنی تخلیقات سے یہ ثابت کرنے کو شش کرتی ہیں کہ عورت فکری و تخلیقی اور عقل و فہم کے لحاظ سے کسی مرد سے کم تر نہیں ہے، ضرورت صرف خواتین کی صلاحتیوں کو ابھارنے کی ہے۔

خواتین کو اس کا حق نہ دینے کا سلسلہ آج سے نہیں بلکہ صدیوں سے ہوتو چلا آ رہا ہے۔ پاک و ہند کی عورت نکاح، خلع، وراثت اور طلاق کے بعد بچوں کی تحویل سے متعلق بنیادی حقوق سے بھی آگاہ نہیں ہے ۔ یورپ میں خواتین کی بیداری کی تحریکیں گزشتہ سترھویں صدی سے ابھرتی رہی ہیں ۔ ان سب تحریکوں کا ایک ہی مقصد، معاشرے میں مرد کی اجارہ داری کا خاتمہ اور عورتوں کا ان کا جائز مقام دلانا ہے۔ ہمارے دانش وروں نے بھی عورت

کو عزت اس لیے دی کیوں کہ عورت ماں کا درجہ رکھتی ہے۔ ماں کی عزت اس لیے قائم ہے کیوں کہ اس نے بہادر سپہ سالار اور سیاسی بصیرت رکھنے والے سیاست دان پیدا کیے ہیں۔

قدیم زمانے سے یہ سلسلہ چلتا آرہا ہے کہ مرد کم عمر لڑکیوں سے شادی کر سکتا ہے۔ مگر کبھی ایک مرد اور عورت کے بندھن میں عورت بڑی عمر کی ہو تو پورا کا پورا معاشرہ حیرت و تعجب کا شکار ہو جاتا ہے۔ مرد اور عورت کے درمیان رشتہ کرتے وقت ۵ سے ۱۰ سال کا فرق رکھا جاتا ہے جس کے نتیجے میں مرد اس جہان فانی سے جلد رخصت ہو جاتا ہے اور عورت باقی کی زندگی بیوگی میں گھٹ گھٹ کر گزارتی ہے۔ ہمارے معاشرے کی ایک تلخ حقیقت یہ بھی ہے کہ بیوہ یا طلاق یافتہ خواتین کو عزت کی نگاہ سے نہیں دیکھا جاتا۔ جب کہ مرد ان تمام الزامات سے بری ہے۔ مذ ہبی عقیدے سے مرد کو اور تقویت ملی کیوں کہ مرد کو عورت کا محافظ بنایا گیا ہے۔ مگر مرد اس کا ناجائز فائدہ اٹھاتے ہیں۔

کشور ناہید نے صنفی مساوات کو اپنا موضوع بنایا۔ کشور ناہید نے طبقاتی تفریق سے اخذ کردہ ترقی پسند سوچ سے اپنے ادبی سفر کا آغاز کیا۔ ہمارے معاشرے کی طبقاتی تفریق ظلم و ستم پر قائم ہے اور یہی طبقاتی تفریق ہماری قومی بنیادوں کو مزید کمزور کرتی جا رہی ہے۔ اسلام کے ظہور کے بعد بھی قوموں میں نسلی اور طبقاتی تقسیم جاری و ساری رہی۔ طبقاتی تقسیم کے توسط سے صنف نازک ظلم و ستم کا شکار ہوتی رہیں۔ اسلام سے قبل بھی ہمارا معاشرہ سماجی ناہمواریوں کا شکار رہا ہے اور آج بھی ہمارا معاشرہ انہی ناہمواریوں کا شکار ہے۔ اسلام کا دوسرا بڑا کارنامہ خواتین کو ان کا جائز حق دلانا تھا اور معاشرے میں عورتوں کے کردار کی وضاحت ہے۔

کشور ناہید کے قلم سے خواہ شعری تحریر نکلی ہو یا نثری تحریر نکلی ہو، کشور ناہید نے تانیثی نقطہ نظر کو تمام لوزامات کے ساتھ برتنے کی کوشش کی ہے۔ ان کی ابتدائی تحریروں میں ترقی پسند تحریکوں کے حوالے سے بھی مواد ملتا ہے، لیکن رفتہ رفتہ جنسی تفریق جیسے مسائل ان کی تحریروں کا حصہ بنتے گئے۔ اس حوالے سے کشور ناہید کا ایک اور کارنامہ " عورت خاک اور خواب کے درمیان " ہے۔ جس میں تانیثی نظریات کے مسائل کو مدلل انداز میں معاشرے کے سامنے لانے کی بہترین کوشش کی گئی ہے۔ انہی تصورات پر مبنی " عورت ایک نفسیاتی مطالعہ " کے عنوان سے تراجم کی ایک کتاب موجود ہے۔

کشور ناہید کی نثری تصانیف میں بھی تانیثی نقطہ نظر نمایاں ہے۔ لیکن آپ کی نظمیں تانیثیت پسند شاہکار کے طور پر مطالعہ کرنے کے قابل ہیں۔ کشور کی نظموں میں گہری وابستگی اور بلند آہنگی جیسے نظریات شدت اختیار کرتے چلے جا رہے ہیں، کشور ناہید نے نہ صرف خود کو تانیثیت پسند مفکر کے طور پر منوایا۔ بلکہ ان کی شاعری خود قاری کو اپنی طرف متوجہ کرتی ہے۔ کشور ناہید کی نظموں اور نثری تصانیف کا مطالعہ کرنے سے دو طرح کے فکری

اسالیب سامنے آتے ہیں۔ اول وہ نظریات ہیں جو ان کی نثر میں نظر آتے ہیں اور دوم ان کی شاعری کے وہ علائم و لفظیات جو ان کی تانیثی پسند فکر پر دلالت کرتے ہیں۔

ہمارے معاشرے میں عورت کو اس کا نصف مقام دینے کا رحم آمیز روایہ اس وقت منظر عام پر آتا ہے، جب جب کشور ناہید جیسی کوئی شاعرہ ان روایوں کو بے نقاب کر کے کھلم کھلا ان پر اظہار تنقید کرتی ہے، جس کی فکر میں بغاوت کا عنصر تو نمایاں ہے۔ کشور ناہید میں باغیانہ پن بچپن ہی تھا، وہی بغاوت ان کی تحریروں میں نظر آتی ہے۔ اس کے ساتھ ساتھ ان کی نظموں کی ہیت آزاد ہے، کشور متعدد فنی لوازم تو بہترین طریقے سے نبھاتی ہیں۔ صحیح معنوں میں ان کی نظمیں نسائی جمالیات کا منفرد ثبوت پیش کرتی ہیں۔ ان کی شاعری کے مضامیں بلاشبہ سخت ہیں مگر نظموں کی روانی کے سحر میں قاری کو جکڑا ہے۔

کشور ناہید کی شاعری میں سپاٹ لہجے کے ساتھ الفاظ کے چناو میں دلیری نظر آتی ہے۔ کشور ناہید کا انداز بیان ان کی نظموں میں شدت لیے ہوئے ہے۔ کشور ناہید ہی وہ عورت ہے جو عورتوں کے حقوق اور وجود کو منوانے کی صحیح تحریک چلاتی رہیں۔ انھوں نے عورتوں کے ساتھ ہونے والی ناانصافیوں کو پوری قوت کے ساتھ اپنی تحریروں میں پیش کیا۔

نیلام گھر ، میں کون ہوں، جاروب کش، انٹی کلاک وائز جیسی نظمیں ان کی تانیثی روایوں کی عکاس ہیں۔ ان کی نظم "انٹی کلاک وائز" میں صورت حال کو زیادہ وضاحت کے ساتھ پیش کیا گیا ہے۔، اردو ریسرچ جنرل کی ویب وائٹس پر ایک مقالہ نگار ارم صبا نے اپنے مضمون " اردو شاعرات کی نظموں میں مزاحمتی عناصر" میں کشور ناہید کے بارے میں جن خیالات کا اظہار کیا ہے، وہ کشور ناہید کو انسانی حقوق کا پرچار کرنے والی خاتون خیال کرتی ہیں۔ کشور انسانی دکھ درد کو سمجھنے کی سمجھ بوجھ رکھتی ہیں۔ [۲۲]

ارم صباء اپنے مضمون "اردو شاعروں کی نظموں میں مزاحمتی عناصر" میں ان کے مجموعے " لب گویا" کا ذکر بھی کیا ہے۔ اس مجموعے میں کشور تفکر اور تدبر سے کام لیتی نظر آتی ہیں۔ جب کہ اسی مجموعے "لب گویا" میں کئی کئی ہلکا پھلکا رومانوی انداز بھی نظر آتا ہے۔ اس کے برعکس ان کے مجموعے " بے نام مسافت" میں موجود ان کی تحریریں اس بات کی عکاسی کرتی ہیں کہ کشوناہید دائرہ کار حقوق نسواں کی جنگ سے شروع ہو کر مظلومیت تک کا سفر کرتا ہے۔ ان کے دیگر مجموعوں میں "گلیاں ،دھوپ ، مسافت، نظمیں ،علامتوں اور دروازوں کے درمیان " پایا جانے والا روایہ بھی مزاحمتی طرز کا حامل ہے۔

کشور ناہید کی ابتدائی دنوں کی شاعری اگر دیکھی جائے تو ان کی ابتدائی شاعری میں نسوانی جنگ صرف عورت پن تک محدود تھی۔ رفتہ رفتہ یہ جنگ پورے نظام کے خلاف پھیلتی چلی گئی۔ کشور ناہید ایک پورے نظام کے

خلاف جنگ کرتی نظر آئیں۔اس طرح سماج کے خلاف یہ جنگ ایک چھوٹی لڑائی سے بڑی لڑائی میں منتقل ہو گئی۔ عالمی اقوامی منظر نامے پر بھی کشور کی نگاہ بہت تیز تھی۔ وہ روشن ذہین اور اعلیٰ بصیرت رکھنے والی خاتون تھیں۔ وہ بہت دور کی سوچ رکھتی تھیں۔ دنیا کی مختلف قوموں میں ہونے والے حالات وواقعات کا بخوبی علم تھا۔

کشور ناہید اس بات کی نوعیت سے اچھی طرح واقف تھیں کہ اب وہ زمانہ نہیں رہا کہ جنگ ایٹمی دھماکوں، گولیوں، بارود یا جنگی ہتھیاروں سے کی جائے۔ جب کہ تیسری جنگ عظیم میڈیا اور تحریر کے زریعے جاری وساری ہے۔ میڈیا کسی ملک و قوم کے خلاف بیانہ جاری کرنے میں اہم کردار ادا کر رہا ہے، مصنفین اپنی تحریروں کے ذریعے بیانیہ جاری کرتے ہیں۔ اخبارات، رسائل، سوشل میڈیا اس حوالے سے اپنا کردار ادا کر رہے ہیں۔ تیسری جنگ عظیم کسی ریاست کی ثقافت، زبان اور نوجوان نسل پر اپنے اثرات چھوڑتی جارہی ہے۔ ہمارا میڈیا بھی عالمی سازشوں کی چالاکیوں کو سمجھنے سے قاصر ہے اور ان کو بڑھاوا دینے میں پیش پیش ہے۔

کشور ناہید کی شاعری میں ہمیں ایک انقلابی آواز نظر آتی ہے، اور یہ انقلاب لانے والے عوامل کسی قوم کے اندر پائے جانے والی صنفی ناانصافیوں کے بارے میں پتا دیتے ہیں یہ عوامل عورت کی حقوق شناسی کی تحریک ہیں، عورت کو شعور دینے کا ایک سلسلہ ہے اور مرد مرکزی معاشرے میں عورت کی اہمیت سے آگاہ کرنا ہے۔ عورت کے وجود کو بطور فرد تسلیم کرنے کی تحریک ہے، تضحیک آمیز روایوں سے نپٹنے کی، مرد اور افسران کے سامنے دلیر بننے کی تحریک ملتی ہے۔

ادبی خدمات:

کشور ناہید پاکستان کے ادبی حلقوں میں ایک ممتاز ترین شاعرہ اور حقوق نسواں کی علم بردار کے طور پر نمایاں مقام رکھتی ہیں۔ انھوں نے اپنے شعری مجموعوں اور آپ بیتیوں سے اردو ادب کے ذخیرہ میں نمایاں اضافہ کیا ہے۔ کشور ناہید کی ادبی تعریف میں اردو ادب کے ممتاز افسانہ نگار انتظار حسین کشور ناہید کو "شاعری کی اماں حوا" قرار دیتے ہیں، انتظار حسین کشور ناہید کی تراشی ہوئی عورت کو مساوی حقوق دینے کی خاطر کی گئی کوششوں کو بھی لائق تحسین قرار دیتے ہیں۔ کشور کے نزدیک جب تک عورت اپنے حقوق کے لیے خود آواز نہیں اٹھاتی، تب تک کوئی دوسرا اس کے لیے کچھ نہیں کر سکتا۔ معاشرے میں تبدیلی تب ہی آسکتی ہے جب ایک عورت خود اپنے حقوق کے لیے آواز اٹھائے۔

حالیہ ٹی وی ڈراموں میں دیکھائے جانے والے کرداروں کو کشور ناہید اپنے انٹرویوز میں تنقید کا نشانہ بناتی رہتی ہیں۔ جہاں عورت کو محکوم و مظلوم کے صنف کے طور پر دیکھایا جاتا ہے۔ جنرل ضیاءالحق کے

دور حکومت میں ادیبوں پر سنسر شپ کا غلبہ رہا۔ جس کی وجہ سے آزادی رائے بالکل ناپید ہوگئی ہے ۔اور ادیب کو اپنے جذبات و خیالات کے اظہار میں کافی مشکلات کا سامنا رہا ہے۔ ان تمام خیالات کا اظہار کشور نے اپنے منعقدہ تقریب میں کہے،جو ان کی ادبی خدمات کو سراہنے کے لیے رکھی گئی۔

کشور ناہید کا مجموعہ "لب گویا" ۱۹۶۸ء میں شائع ہوا،یہ کشور ناہید کی شاعری کی یہ پہلی کتاب تھی۔ جس کو ادبی حلقوں میں سراہا گیا۔ کشور ناہید کو اسی کتاب کی " آدم جی ایوارڈ" سن ۱۹۶۹ء میں دیا گیا،اس کے علاوہ بھی دیگر کئی حلقوں میں آپ کو سیاسی اور سماجی اعزازات سے نوازا گیا۔ نثری اور شعری مجموعوں کے ساتھ ساتھ آپ نے پاکستان نیشنل کونسل آف آرٹس میں ڈایکٹر جنرل کے عہدے پر اپنے فرائض سر انجام دیتی رہیں۔،اور کئی سال ایک ادبی جریدے "ماہ نو" میں اپنی خدمات دی۔ [۲۳]

پاکستان میں خواتین کی بیداری کے حوالے سے کیے جانے والے کاموں میں کشور ناہید کو عالمی سطح پر کافی پذیرائی ملی، عالمی سطح پر ان کی عزت اور قدرو منزلت بڑھ گئی، اکادمی ادبیات پاکستان اسلام آباد کے چیئرمن بھی کشور ناہید کو ایک اسلوب ساز لکھاری کے طور پر مانتے ہیں۔اکادمی ادبیات پاکستان کی طرف سے کشور ناہید کو "کمال فن ایوارڈ" سے بھی نوازا گیا۔ان کو دیا جانے والا یہ ایوارڈان کی ادبی خدمات کا اعتراف ہے ۔اسی حوالے سے ادبیات پاکستان کی طرف سے "کشور ناہید: شخصیت اور فن" پر ایک کتاب بھی شائع ہوچکی ہے۔ یہ کتاب ۱۲۴ صفحات پر مشتمل ہے۔

کشور ناہید ایک بہت ہی احساس اور نازک دل کی خاتون ہیں۔ وہ روزنامہ "جنگ" میں مختلف موضوعات پر مضمون لکھتی ہیں۔ آپ نے نہ صرف اپنا قلم خواتین کی بیداری میں وقف کیا بلکہ بچوں کے حوالے سے بھی بہت کچھ لکھا۔کشور ناہید کو ان کے ادبی خدمات کے سلسلے میں حکومت پاکستان نے "ستارہ امتیاز" سے بھی نوازا۔بلاشبہ کشور کو بہت سے مردناقدین کی طرف سے تنقید کا سامنا بھی کرناپڑا۔ کشور ناہید کی ساری جدوجہد اس مردانہ معاشرے کی ذہنیت کے خلاف تھی۔" بری عورت کی کتھا" سے لے کر "ہم گنہگار عورتیں" سب اسی عنوان کے گرد گھومتی نظر آتی ہیں۔آپ جس گھرانے سے تعلق رکھتی ہیں۔ وہاں سے نکل کر قدم بڑھانا بھی ایک ہمت آزما کام تھا۔

ایوارڈ:

☆ کولمبیا یونی ورسٹی (بہترین مترجمہ ۱۹۸۴ء)

☆ آدم جی ایوارڈ(لب گویا۱۹۶۹ء)

☆منڈیلا ایوارڈ (۱۹۹۷ء ساؤتھ افریقہ)

☆یونیسکو ادب برائے اطفال ایوارڈ (دیس دیس کی کہانیاں)

☆ستارہ امتیاز (۲۰۰۰ءحکومت پاکستان)

☆انعام برائے امریکہ سال کی منتخب خاتون (۱۹۹۷ء)

☆نوبل انعام برائے خواتین (۲۰۰۵ء)

ادارت:

کشور ناہید نے نہ صرف ادب میں اپنی خدمات پیش کیں۔اس کے علاوہ مختلف رسائل اور تنظیموں کی ادارت بھی سنبھالی۔ ۱۹۷۷ء میں " انتخاب برائے مزاحمتی کمیٹی" کے فرائض سنبھالے۔۱۹۷۷ء میں ہی کشور ناہید کو فیملی پلاننگ میگزین کا چیف ایڈیٹر مقرر کر دیا گیا۔۱۹۷۸ء میں " ترجمہ اور رپورٹ برائے انسانی حقوق" کی ادارت کی۔ سنہ ۱۹۸۱،۱۹۷۸ء اور ۱۹۸۵ء میں " ہمعصر اہل قلم پر کتاب" کے فرائض سر انجام دیے۔۱۹۸۴ء میں "سال کا منتخبہ ادب" اور ۱۹۸۷ء میں" چالیس سال کا منتخبہ پاکستانی ادب" آپ کے سپرد کر دیا گیا۔

۱۹۸۸ء میں منتخبہ ادب برائے سارک ممالک کی ادارت کی۔سنہ ۱۹۹۴ء۔۱۹۹۷ء میں" اداکاری اور صداکاری پر "۱۲کتابیں اور اٹھارہ منتخب مصدروں کے تذکرے منظر عام پر آئے۔۱۹۹۴ء۔۱۹۹۷ء کے سال میں ہی "تدوین برائے اساتذہ" موسیقی آف پاکستان کے فرائض سر انجام دیے۔سنہ ۱۹۹۷ء میں پاکستان کی پچاس سالہ موسیقی کی یکجائی اور ۲۰۰۳ء میں انتخاب برائے عالمی خواتین ادب کے فرائض سرانجام دیے۔

کشور ناہید پر کی جانے والی تحقیق:

کشور ناہید کے لیے یہ باعث اعزاز ہے ان کی نثر اور شاعری پر کافی کام کیا جا چکا ہے ۔ جن میں ان پر ٤ مقالات، ۳ کتابیات ایک رسالہ اور کئی آرٹیکل ان کے فکرو فن کے حوالے سے لکھے گئے ہیں ۔ ان پر لکھے جانے والے ٤ مقالات میں ۲ ایم فل اور ۲ ایم اے کی سطح پر لکھے گئے۔ان پر لکھی جانے والی کتب میں ۲ اکادمی ادبیات پاکستان اور بہاؤالدین ذکریا یونی ورسٹی میں لکھی گئی۔

۱۔ "کشور ناہید کے شعری اور نسوانی تناظر" سے عنوان سے برکلے یونی ورسٹی سے مس انیتا نے تحقیق کرکےڈاکٹریٹ کی ڈگری حاصل کی۔

۲۔ مقالہ نگار آمنہ یقین نے"کشور ناہید کی شخصیت و فن " پر تحقیق کرکے لندن یونی ورسٹی سے

ڈاکٹریٹ کی ڈگری لی۔

۳۔ مقالہ نگار مہوش نے "کشور کی تانیثی تھیوری" پر مقالہ لکھ کر نیو یارک یونی ورسٹی سے ڈاکٹریٹ کی ڈگری حاصل کی ۔

۴۔ ایم ۔اے کی سطح پر پاکستان کی بیشتر یونی ورسٹز میں کشور ناہید کی شخصیت و فن پر مقالے لکھے گئے۔

۵۔ مقالہ نگار شہناز پروین نے ڈاکٹر روبینہ ترین کی نگرانی میں " فہمیدہ ریاض،کشور ناہید اور پروین شاکر کی شاعری میں عورت کا شعورذات" کے عنوان سے تحقیقی مقالہ بہاوالدین ذکریا یونی ورسٹی ملتان سے ۲۰۰۴ء میں لکھا۔

۶۔ مقالہ نگار کرن اسلم نے ڈاکٹر نسیمہ رحمان کی نگرانی میں "کشور کی نثری خدمات" کے حوالے سے ۲۰۱۶ء گورنمنٹ کالج یونی ورسٹی لاہور سے لکھا۔

۷۔ ایم اے کی سطح پر لکھے جانے والے مقالات میں ایک مقالہ "کشور ناہید: فن اور شخصیت" کے عنوان سے محمد افضل شیخ نے بہاو الدین زکریا یونی ورسٹی ملتان سے لکھا۔

۸۔ ایم اے کی سطح پر دوسر امقالہ نادیہ فریال نے ۲۰۰۰ء میں بہاوالدین زکریا یونی ورسٹی ،ملتان ڈاکٹر قاضی عابد کی نگرانی میں اردو ادب کی دو آپ بیتیوں " بری عورت کی کتھا(کشور ناہید)اور ہم سفر (حمیدہ اختر پوری)کا تجزیاتی مطالعہ کے نام سے لکھا۔

۱۰۔ بی بی سی ڈاٹ کام کی برقی ویب سائٹ پر "کشور ناہید کی نوٹ بک " کے عنوان سے ایک آرٹیکل ۲۶اپریل۲۰۱۴ء میں لکھا گیا۔

۱۱۔ دی وائر برقی ویب سائٹس پر " جہد مسلسل کا نام کشو ناہید" کے عنوان سے ایک مضمون محمد حمید شاہد نے ر۲۰۲۰ءمیں کشور ناہیدکی سالگرہ کے موقع پر لکھا۔

۱۲۔ برقی صفحہ جہان اردو " کشور ناہید : میرے ملک میں عورت کا کوئی نام نہیں"کے عنوان سے ڈاکٹر تہمینہ عباس نے مقالہ لکھا۔

۱۳۔ برقی ویب سائٹ اردو ریسرچ جنرل کے صفحے پر " خود نوشت سوانح نگاری کا نسائی زوایہ، بری عورت کی کتھا اور جنت سے نکالی ہوئی حوا: ایک مطالعہ " سید وجاہت مظہر کی تحریر ہے۔

حوالہ جات

۱۔ http://www.taemeernews.com، اصغر ندیم سید "کشور ناہید زمین کی بیٹی کی تصویر" بتاریخ ۵ فروری ۲۰۲۱ء، بوقت ۱۰:۳۰ بجے۔

۲۔ http://nayadaur.tv ، زمان خان "کشور ناہید سے کچھ باتیں"، بتاریخ ۲۰ نومبر ۲۰۲۱ء، بوقت ۱۲:۰۰ بجے۔

۳۔ https://tehreemtariq.wordpress.com ، ارتقاء حیات "کشور ناہید"، بتاریخ ۱۵ دسمبر ۲۰۲۱ء، بوقت ۱۰:۰۰ بجے۔

۴۔ http://ur.m.wikipedia.org، آزاد دائرہ المعارف "کشور ناہید"، بتاریخ ۱۵ دسمبر ۲۰۲۱ء، بوقت ۱۰:۳۰ بجے۔

۵۔ زاہدہ حنا "کشور ناہید؛ وہ حوصلہ ہے جسے زندہ رہنا چاہیے" ایکسپریس اردو ویب سائٹ، بتاریخ ۱۱ اگست ۲۰۲۱ء۔

۶۔ http://penslipsmagzine.com، کشور ناہید "عورت کہاں غائب رہی، بتاریخ ۱۱ اگست ۲۰۲۱ء، بوقت ۱۲:۳۰ بجے۔

۷۔ اسرار الحق مجاز "کلیات مجاز "(کتابی دنیا:۲۰۰۲ء)، ص ۱۳۰۔

۸۔ http://penslipsmagzine.com، کشور ناہید "عورت کہاں غائب رہی"، بتاریخ ۱۲ اگست ۲۰۲۱ء، بوقت ۴:۰۰ بجے۔

۹۔ قراۃ العین حیدر" گردش رنگ چمن "(دہلی: ایجوکیشنل پبلشنگ ہاؤس، ۱۹۸۸ء) ص۔

۱۰۔ زاہدہ حنا " کشور ناہید؛ وہ حوصلہ ہے جسے زندہ رہنا چاہیے" ایکسپریس اردو ویب سائٹ ، تاریخ ملاحظہ: ۱۱ اگست ۲۰۲۱ء۔

۱۱۔ http://www.urdulinks.com، سید وجاہت مظہر "خود نوشت سوانح نگاری کا نسائی زاویہ
بری عورت کی کتھا ،بتاریخ یکم جولائی ۲۰۲۱ء، بوقت ۳:۰۰ بجے۔
۱۲۔ Error! Hyperlink reference not valid.، خالد مسعود "چھین لے مجھ سے حافظہ میرا"، بتاریخ ۲۰
اگست
۲۰۲۱ء، بوقت ۳:۰۰ بجے۔
۱۳۔ ہارون الرشید، کشور ناہید کی نوٹ بک، (اسلام آباد: بی بی سی اردو ڈاٹ کام) بتاریخ
۲۶ اپریل ۲۰۲۱ء۔
۱۴۔ کشور ناہید، کشور ناہید کی نوٹ بک (لاہور: سنگ میل پبلی کیشنز، ۲۰۱۴ء) ص ۸۔
۱۵۔ www.deedbanmagzine.com، قاسم یعقوب "تانیثی تھیوری اور اردو نظم"، بتاریخ ۵
نومبر ۲۰۲۰ء، بوقت ۱۱:۳۰ بجے۔
۱۶۔ www.urdulinks.com، اردو ریسرچ جنرل "تانیثیت چند مباحث"، بتاریخ ۱۰ جون ۲۰۲۰ء،
بوقت ۱۰:۴۵ بجے۔
۱۷۔ کشور ناہید، سوختہ سامانی دل (لاہور: سنگ میل پبلی کیشنز، ۲۰۰۲ء) ص ۲۱۔
۱۸۔ http://ur.m.wikipedia.org، کشور ناہید، آزاد دائرہ المعارف، بتاریخ ۱۰ جون ۲۰۲۰ء،
بوقت ۱۱:۳۰ بجے۔
۱۹۔ کشور ناہید، سوختہ سامانی دل (لاہور: سنگ میل پبلی کیشنز، ۲۰۰۲ء) ص ۷۷۔
۲۰۔ کشور ناہید، بے نام مسافت (لاہور: سنگ میل پبلی کیشنز، ۱۹۹۱ء) ص ۷۷۔
۲۱۔ www.duniya.com.pk، یوسف عالمگیر "کشور ناہید (دبنگ عورت)، بتاریخ ۱۸ اکتوبر ۲۰۲۰ء،
بوقت ۴ بجے۔
۲۲۔ www.urdulinks.com، ریسرچ جنرل "تانیثیت: نظریات، مغربی تناظرات"، بتاریخ ۸
اکتوبر ۲۰۲۰ء، بوقت ۶ بجے۔
۲۳۔ ارم صباء "اردو شاعرات کی نظموں میں مزاحمتی عناصر" (اسلام آباد: شعبہ اردو، وفاقی یونی ورسٹی، سن
ندارد)، ص۔

باب سوم:

آپ بیتی کشور ناہید کی نوٹ بک کا
لسانی و غیر لسانی تجزیہ کلامیہ

باب سوم:

آپ بیتی کشور ناہید کی نوٹ بک کا لسانی و غیر لسانی تجزیہ کلامیہ

زیر تحقیق کتاب "کشور ناہید کی نوٹ بک" ان کی خود نوشت ہے جو ۲۰۱۴ء میں شائع ہوئی۔ ۹۲ صفحات پر مشتمل اس مختصر سی کتاب میں کشور ناہید کی زندگی کا ایک اہم حصہ ہے۔ جو انہوں ملازمت کی دوران گزارا۔ اس آپ بیتی میں کشور ناہید کے دفتری زندگی میں پیش آنے والے معاملات اور حالات کی تفصیل شامل ہے۔ کئی جگھوں پر ان کی ذاتی زندگی کی چند جھلکیاں بھی ملتی ہیں، نیز سیاسی سرگرمیوں کے اتار چڑھاؤ کے اثرات کا بیان، غیر ملکی دوروں کی تفصیل اور حقوق نسواں کے لیے کیے جانے والے کاموں کے حوالے سے بھی ذکر موجود ہے۔ کتاب کے ابتدائی حصے میں کشور ناہید نے اس کتاب کو اپنی یاداشت کا نام دیا، جو ان کے بیتے ہوئے کل کی ایک مختصر سی داستاں ہے۔

اس آپ بیتی کو لکھنے کا مقصد ملازمت پیشہ خواتین کو درپیش مسائل کی نشاندہی کی گئی ہے۔ وہ اپنی آپ بیتی کے ذریعے ملازمت پیشہ خواتین کی ڈھارس بندھاتی ہیں۔ اپنی پیشہ ورانہ زندگی کے دوران انہوں نے بہت سے مسائل کا سامنا کیا مگر اس کے باوجود وہ مردوں کی طرح شانہ بشانہ کھڑی رہیں۔ ان کا شمار ملک کا نام روشن کرنے والی باہمت خواتین میں ہوتا ہے۔ اس کتاب کے آخری حصے میں انھوں نے اپنے والدین، بیٹوں اور چند احباب کی تصاویر بھی شامل کی ہیں۔ اس کتاب کے تنقیدی تجزیہ کلامیہ کا مقصد کشور نے اپنی زبان کو استعمال کرتے ہوئے کس طرح کا تجزیہ کلامیہ پیش کیا۔

لسانی مطالعہ:

کسی بھی قسم کی زبان اپنے اندر ابلاغ کی طاقت رکھتی ہے۔ زبان کے ذریعے طاقت کا استعمال چھوٹی اور بڑی دونوں سطح پر کیا جاتا ہے، مثلاً ایک استاد کی کمرہ جماعت میں طلباء کے ساتھ گفتگو ایک بڑی طرح کا ڈسکورس ہے، جب

کہ ایک استاد کی ایک طالب علم کے ساتھ انفرادی گفتگو چھوٹی سطح کا ڈسکورس ہے۔کشور ناہید نے بھی زبان کے ذریعے ہی اپنے خیالات کا پرچار کیا، وہ زبان کی طاقت کو کم نہیں ہونے دیتیں۔ ان کے قارئین عام اور ادب سے تعلق رکھنے والا کوئی بھی ہو سکتا ہے۔

جدید دور میں کلامیہ معنیات کی ایک اصطلاح بھی متعارف کروائی گئی ہے۔جو طویل کلامیہ میں متن اور بیانیہ کے معانی و مفہوم سے بحث کرتی ہے۔کلامیہ جملے کے خاص مفہوم تک رسائی حاصل کرنے کا نام ہے کیوں کہ جملے کا مفہوم کلامیہ کے لحاظ سے تبدیل ہوتا رہتا ہے۔

کشور ناہید کی نوٹ بک کا ڈیبورا اشفرن کے نظریات کے مطابق زبان کی لسانی و غیر لسانی خصوصیات کا مطالعہ کیا جائے گا۔اس خود نوشت میں استعمال ہونے والے الفاظ کی نوعیت کیا ہے؟ کون کون سے الفاظ کو بار بار دہرایا گیا ہے؟ لفظوں کا متنی اتصال اور متن میں استعمال ہونے والی علامات کے پوشیدہ معنوں تک رسائی اور متن کا تسلسل معقول / ہم آہنگی کی تلاش شامل ہے۔

لسانیاتی اور غیر لسانیاتی مطالعے کا ایک اہم نقطہ کسی بھی تحریری اور تقریری زبان کا قواعدی مطالعہ ہے، کسی متنی زبان کا قواعدی مطالعہ مندرجہ ذیل سطحوں پر کیا جاتا ہے۔

متن میں استعمال کیے گئے جملوں کی نوعیت کیا ہے؟ کس طرح کے الفاظ کا استعمال کیا گیا؟ لغوی اور نحوی معانی کی تلاش، دوسری زبانوں کے استعمال کے گئے الفاظ اور جملے، بار بار دہرائے جانے والے الفاظ، ایک ہی قسم سے تعلق رکھنے والے الفاظ، سیاسی اصطلاحات کا استعمال اور معانی تک رسائی، دفتری اصطلاحات کا استعمال، اہم اور تاریخی واقعات کا پس منظری مطالعہ اور محاورات اور روز مرہ کا استعمال جیسے نکات کا مطالعہ شامل ہے۔

اس خود نوشت میں باب اول سے لے کر باب آخر تک کچھ ایسے الفاظ کا استعمال کیا گیا ہے۔جو کسی بھی متن کے اندر مالی اور معاشی صورت حال کی نشاندہی کرتے ہیں۔ مثلاً

> یوسف کی جیب میں بیس روپے ہیں، خالی کمرہ مجھے کیا دے گا۔ یونی ورسٹی کا فائنل ائیر ہے۔
> نوکری کیسے کروں گی۔[1]

> سواری والا ٹانگہ تو لکشمی چوک سے بھاٹی لوہاری تک جاتا تھا۔ ہر چند سالم ٹانگہ بھی ایک روپے میں مل جاتا تھا مگر جب آپ کی تنخواہ تین سو روپے ہو تو قدم سنبھال سنبھال کر رکھنا پڑتے ہیں۔یونی ورسٹی کی فیس، گھر کا خرچ، ابھی گھر تو مفت تھا کہ فلم والوں کا دفتر تھا جس پر ہم قبضہ گیر ہو گئے تھے۔[2]

کشور ناہید کا پہلا باب ان کی ازدواجی زندگی اور اس سے جڑے مسائل کے متعلق ہے۔ کشور ناہید اور یوسف کامران کا نکاح زمانہ طالب علمی میں ہی ہو گیا تھا۔ ان کی تعلیم جاری تھی اور مالی حالات بہت خراب تھے۔

مندرجہ بالا جملوں میں روپے، نوکری، پیسے، سواری، تنخواہ اور فیس، خرچ یہ تمام ایک دوسرے سے نسبت رکھتے ہیں۔ یہ تمام مالی تنگی کی علامت کے طور پر استعمال کیے جا رہے ہیں، ایک عام شخص نوکری اس لیے تلاش کرتا ہے کہ وہ اپنا اور اپنے اہل خانہ کا پیٹ پال سکے، ان جملوں میں بیان کیے گئے تمام عوامل غربت کا استعارہ ہیں، جو کبھی کشور کی زندگی میں شامل تھے، قرض، ادھار، ٹانگہ، گھر کا خرچ اور فیس ان تمام الفاظ کا مصنفہ کی مالی مشکلات سے ہے

۔

گھر کا خرچ پورا کرنا، تعلیم کے حصول کے لیے فیس کی ادائیگی، یہ سب چیزیں زندگی کی بنیادی ضروریات ہیں ،مصنفہ نے اپنی ذاتی زندگی میں ان حالات کا ذکر کیا ہے۔ مندرجہ بالا دیئے گئے تمام جملوں میں مالی مشکلات کے لیے مختلف الفاظ کا استعمال کیا گیا ہے لیکن یہ تمام الفاظ جملوں میں ایک طرح کے معانی دے رہے ہیں۔ ان تمام حالات کا تعلق مصنفہ کی مالی مشکلات سے ہے۔ اور یہ تمام علامتیں انسان کی مادی ضرورت کو ظاہر کرتی ہیں۔

کشور ناہید کو ان تمام مالی مشکلات کا سامنا اس لیے کرنا پڑا کہ ان کی شادی نارمل حالات میں نہیں ہوئی تھی بلکہ یوسف کامران سے دوستی کے جرم میں ان کا نکاح اس وقت کروا دیا گیا جب وہ دونوں ابھی اپنے آپ کو سنبھالنے کی حالت میں نہیں تھے۔ کشور ناہید اور یوسف کامران دونوں کے گھر والوں کی طرف سے ان کو کسی قسم کی مدد نہ ملی ہمیشہ وہ تنقید و ملامت کا شکار ہوتے رہے۔ ان حالات میں کشور ناہید کا مالی مشکلات کا سامنا ایک لازمی امر ہے۔ پاک و ہند کے رسم و رواج میں شادی کا معاملہ ایسا ہی ہوتا ہے جیسا کہ مصنفہ نے بیان کیا۔

ہمارے معاشرے میں پسند کی شادی کو گناہ سمجھا جاتا ہے۔ پسندیدگی کے اظہار کو بے باکی اور بے حیائی سمجھ کر مرد عورت دونوں کو مجرم بنا دیا جاتا ہے۔ ہمارے سماج میں اگر لڑکا اور لڑکی کسی طرح رشتہ ازدواج میں منسلک ہو بھی جائیں تو ان خاندان اور گھر والے ساری عمر انھیں ان کے خاندان کی طرف سے قبولیت کا شرف حاصل نہیں ہوتا۔

اس علاوہ کشور ناہید کی آپ بیتی میں بہت سے ایسے الفاظ کا استعمال بھی نظر آتا جو جبر کی علامت کے طور پر پیش کیے جاتے ہیں۔ چاہیے وہ جنگ اندرونی سطح پر ہو یا بیرونی، اس کا خوف وہراس کچھ الفاظ سے محسوس کیا جا سکتا ہے اور ان الفاظ کی شدت کو بولنے، لکھنے اور پڑھنے والا محسوس کر سکتا ہے۔ کشور کی ملازمت کے دوران وقتاً فوقتاً حکومتیں بدلتی رہیں اور سیاسی معاملات میں پیچیدگیاں بڑھتی گئیں۔ ان دنوں کشور ناہید سرکاری عہدے پر فائز ہو چکی تھیں۔ جنگ، بدامنی، انتشار کو ظاہر کرنے والے الفاظ کچھ یوں ہیں۔

۱۹۶۵ء کی جنگ کے فوراً بعد، چونڈہ کے محاذ سے لے کر قصور، ہیڈ سلیمانکی اور بہاولپور کے سرحدی علاقے ایسے دیکھے کہ جب میں فوج کے سپاہیوں کے ساتھ سرحدوں پر پہنچی تو لکڑی اور گوشت کے جلنے کی بو ایک ہو رہی تھی۔[۳]

دونوں کو کوٹ لکھپت جیل بھیج دی گیا۔ ایک ہفتہ بعد یوسف کے والد کو بزرگی کی وجہ سے ضمانت ہو گئی، مگر یوسف پہ مقدمہ بنا دیا گیا کہ فوج گالیاں دی ہیں، اس گرفتاری کے پیچھے عوامل تھے کہ لاہور کے مارشل لاء ایڈمنسٹریٹر جنرل نیازی تھے۔[۴]

سپاہی، سرحدیں، جلنا، مارشل لاء، گرفتاریاں، جیل، مقدمہ بیشیاں، کرفیو، قید، کوڑے ایسے تمام نحوی الفاظ کا تعلق ایک ہی قسم سے ہے اور وہ ہے اندرونی جنگ، سخت قسم کے حالات میں لگنے والے مارشل لاء کی طرف اشارہ بھی کرتے ہیں۔ ملک کے حالات اس قسم کی تبدیلیوں کی طرف راغب کرتے ہیں۔ جن کا جابجا اظہار کشور کی آپ بیتی میں نظر آتا ہے۔ اس قسم کے معاملات کا کسی ریاست کے اندر در پیش ہونا خوف و حراس کے جذبات پیش کرتا ہے۔ بلاشبہ یہ تمام الفاظ اپنی نوعیت کے اعتبار سے سخت قسم کے معانی کو جنم دیتے ہیں۔

اسی طرح ایک جگہ پاکستان اور انڈیا کی جنگ کے دوران لگنے واکے کرفیو کا ذکر بھی ملتا ہے "۱۹۷۱ء کی انڈیا پاکستان لڑائی کے دنوں میں اکثر کرفیو لگتا"[۵] جنرل یحیٰی خان کا مارشل لاء کی طرف جانا، اور پورے ملک میں کرفیو لگا دینا، مندرجہ بالا جملے "کرفیو لگنا" میں کرفیو کا لفظ "آزادانہ نقل و حرکت پر پابندی" کے معانوں میں استعمال ہوا ہے۔[۶] ایک آزادانہ ریاست میں رہتے ہوئے اس طرح کی پابندیاں گھٹن کی کیفیت کو جنم دیتی ہے۔

کشور ناہید نے اپنی آپ بیتی میں ایک لفظ "سنسر شپ" کا استعمال کیا ہے۔ "سبب یہ تھا کہ ضیاء الحق کا مارشل لاء لگ چکا تھا۔ سخت کوڑے اور سنسر شپ تھی۔"[۷] لفظ سنسر شپ ایک لاطینی اصطلاح ہے۔ سنسر شپ کے معنوں تک اگر رسائی حاصل کرنے کی کوشش کی جائے تو اس سے یہ اندازہ ہوتا ہے کہ اس لفظ کا استعمال خاص صورت حال کے بیان کی منظوری نہ دینا۔ حکومت کی طرف سے کسی بات یا موقع کی صورت حال ہے جنہیں عوام کے سامنے لانے سے منع کیا جاتا ہے کیوں کہ اس صورت حال کے بیان کو عوام کے لیے ناگوار یا نقصان دہ سمجھا جاتا ہے۔

کشور ناہید چوں کہ خود ایک لکھاری تھیں اور اس وقت وہ محکمہ ریجینل ڈائیکٹر پبلی کیشنز میں چیف ایڈیٹر کے عہدے پر فائز تھیں تو ان کا کام خط و کتابت سے وابستہ تھا۔ غرض ان کے دائرہ کار میں بھی ادب سے تعلق رکھنے والے لوگ تھے۔ اس زمانے میں ضیاء الحق صدر کے عہدے پر قابض تھے اور مارشل لاء لگ جا چکا تھا۔ جس کی وجہ سے

ادیبوں کے مواد کو بہت جانچ پرکھ کے بعد شائع کیا جاتا تھا۔ حکومتی کارندوں کے نزدیک سنسر شپ اخلاقی شئے ہے جو ہر بے ہودہ مواد کو ختم کرنے کی اہلیت رکھتی ہے۔

> ہمارا مزاج سیاسی موضوعات میں بھی ملتا تھا۔ ویت نام کی جنگ کے حوالے سے کہ چین کے ثقافتی انقلاب کے حوالے سے کہ پاکستانی سیاست۔[۸]

> اسی زمانے میں لوک ورثہ والوں نے مجھے کمپئر رکھا۔[۹]

مندرجہ بالا جملوں میں ایک اصطلاح "ثقافتی انقلاب اور دوسری اصطلاح لوک ورثہ" کی استعمال کی گئی۔ ثقافتی انقلاب اور اصطلاح چینی صدر ماؤزے تنگ کی بدولت ۱۹۶۶ء میں شروع ہوا تھا اور پورے ۱۰ سال جاری رہنے کے بعد ۱۹۷۶ء میں اختتام پذیر ہو گیا۔ اس ثقافتی انقلاب نے دوسری ریاستوں پر بھی اپنے گہرے اثرات چھوڑے جس کی وجہ بہت سی ریاستوں کے صدروں نے اس پر عمل پیرا ہونے کی کوشش کی۔ اسی طرح دوسری مثال میں "لوک ورثہ" کی اصطلاح استعمال ہوئی ہے۔ اس لفظ کے لغوی معانی "کسی خاص جگہ یا ملک کے رہنے والوں کے آثار و باقیات" ہے۔[۱۰] اس کی روایت کو لوک ورثہ جیسے ادبی اداروں نے زندہ رکھا ہوا ہے۔ یہ ادارہ ملک کے تمام صوبوں کے کلچر کو پیش کرتا ہے۔

> کوئی دو مہینے گزرے ہوں گے کہ میں نے سرخ پولکاڈاٹ کا سوٹ پہنا۔ ٹی وی پر اسے دیکھ کر ایک خاتون نے فون کیا۔ آپ نے کیا خوب کیا کہ شوہر کی وفات کے چند ماہ بعد ہے ہی سرخ رنگ کے کپڑے پہن لیے۔[۱۱]

کشور ناہید اس واقعے کا بیان کرتی ہیں جب یوسف کامران کی وفات کے بعد آفس "سرخ" رنگ کا جوڑا پہن کر گئی۔ پاک و ہند میں "سرخ" رنگ خوش قسمتی، محبت اور کامیابی کی علامت کے طور پر سمجھا جاتا ہے۔ جب کہ صدیوں پہلے قدیم رومن میں یہ رنگ فتح کی علامت کے طور پر لیا جاتا تھا۔ کشور ناہید کا قاری پاک و ہند کے سماج سے تعلق رکھتا ہے جس کے نزدیک یہ رنگ خوشی کی علامت ہے، یوسف کامران کی وفات کے بعد کشور کا سرخ کا جوڑا پہنے پر ہمارے معاشرے کے خواتین نے طرح طرح کے سوالات اٹھائے، یہ ہمارے سماج کی ذہنی کیفت کو بیان کرتا ہے کہ رنگوں کو مختلف اچھی بری علامات کے طور پر لیا جاتا ہے۔ اور ان رنگوں سے ہمارے سماج کی عورتوں کی جذباتی وابستگی نظر آتی ہے۔

> پوری فلم میں قتل ہی قتل تھے۔ ہم نے بین کر دی۔ ابھی سیڑھیاں اتر رہے تھے کہ ہم سب کی سانسیں رک گئیں۔ وہ سارے لوگ وہی فلم والے کپڑے پہنے کلاشنکوف اٹھائے کھڑے تھے۔[۱۲]

کشور ناہید ایک اور واقعے کا بیان کیا ہے جہاں فلم بین کرنے پر انھیں "کلاشنکوف" سے خوف زدہ کیا گیا، کلاشنکوف ایک ایسا ہتھیار ہے جیسے سرحدوں کی حفاظت کے لیے کلاشنکوف نامی ایک شخص نے بنایا تھا اس ہتھیار کو بہادری کی علامت کے طور پر دیکھا جاتا ہے، مگر بعض اوقات اس ہتھیار کا استعمال ایسی جگہوں پر کیا جاتا ہے جہاں اسے نہیں ہونا چاہیے، یہ لفظ جنگی معرکوں میں اپنی حفاظت کے لیے استعمال ہوتا ہے اور اسی ہتھیار سے اپنے ملک و قوم کے لوگوں کو اپنے مفاد کے لیے حراساں کرنا انتہائی قبیح فعل ہے اور یہ لفظ دہشت گردی کی علامت بن چکا ہے۔

اسی طرح بارات جنازے اور قبرستان جیسے الفاظ کا اظہار ملتا ہے۔ ہمارے معاشرے میں ان الفاظ کو ایک خاص معانی دیے جاتے ہیں جن میں جنازے کا لفظ موت کے معنوں میں استعمال ہوتا ہے یعنی کسی چیز کا مکمل طور پر ختم ہو جانا، جنازہ ایک روح کو ایک جہاں سے دوسرے جہاں منتقلی کی کیفیت ہے۔ جنازے کا لفظ "دکھ "اور غمی کی علامت ہے جب کہ اس کے برعکس بارات کی علامت "ایک نئے جہاں کی شروعات کی علامت ہے۔ دونوں الفاظ کی کیفیت اور جذبات، خوشی اور غم ایک دوسرے کے متضاد ہیں۔ قبرستان کا لفظ خوف کی علامت پیدا کرتا ہے۔ "کیا منظر تھا ایک طرف کشتی میں بارات جا رہی ہے، دوسری طرف جنازہ جا رہا تھا" [۱۳]

اسی طرح ایک جگہ ایک جملے میں "شمپئن سے شام کا آغاز ہوا" ستعمال ہوا ہے۔ اس جملے میں لفظ شمپئن کا مطلب شراب کی بوتل ہے، کشور ناہید کا پڑھا لکھا قاری تو اس لفظ کی معانی سے واقف ہو سکتا ہے مگر ایک عام قاری اس لفظ کی نوعیت سے ناواقف ہوتا ہے، شمپئن سے شام کے آغاز مطلب مستی و سرور کی کیفیت ہے۔ بحر حال ایک اسلامی معاشرے میں ان اشیاء کا استعمال گناہ ہے۔ ہمارے دین اور دنیا میں اس بات کی اجازت نہیں۔ مگر یورپین ممالک میں ان افعال کی کوئی وقعت نہیں ہے، ان ممالک رقص و سرور کی محفلوں میں شمپین کا استعمال معمولی بات ہے۔

کشور ناہید نے اپنی آپ بیتی میں ایک لفظ "دالان "کا ذکر کیا ہے ۔" اس کا میوزیم بھی ہے اور سکول میں لڑکے لڑکیاں اس کی یاد میں کریون بناتے اور میوزی کے باہر بنے دالان میں لٹکا دیتے تھے " [۱۴]

اردو میں 'دالان " کے لفظی معانی جس میں ایسا بڑا اور لمبا کمرا جس میں سہ درہ یا محراب دار دروازے ہوتے ہیں۔ [۱۵] ہیروشیماء کی تباہی بعد وہ لڑکی جو بچ گئی تھئ اور کریوں بناتی رہتی تھی اب اس کی یاد میں کالج کے لڑکے لڑکیاں کریون سے مختلف اشکال بنا کر دالان میں لٹکا دیتے۔

> سپین کے سفیر گھر پر نشست خوب جمی۔ بورحنس کو ٹانگو ڈانس بہت پسند تھا۔ جب میں ارجنٹائن گئی تو گلاس لے کر ایش ٹرے تک ہر چیز پر ٹانگو ڈانس کے سکچ تھے۔ [۱۶]

ایک جگہ کشور ناہید ایک لفظ ٹانگو ڈانس کا استعمال کیا گیا ہے، ڈانس یا رقص کو زندگی کی علامت کے طور پر لیا جاتا ہے۔ دراصل ڈانس خوشی اور جذبات کے اظہار کا ذریعہ ہیں، ہر ریاست کے اپنے کچھ مخصوص رقص ہوتے ہیں۔ جنہیں کوئی بھی قوم خاص تہواروں پر پیش کرتی ہے اور وہ رقص یا ڈانس ان قوموں کی ثقافت کا حصہ ہوتے ہیں۔ ٹانگو ڈانس سپین کی ریاست کا خاص رقص ہے جسے لوگ مختلف موقعوں پر خوشی کے اظہار کے لیے استعمال کرتے ہیں۔

> سونے پر سہاگہ یہ ہوا کہ جوائنٹ سیکرٹری بھی پولیس کے محکمے سے تھے۔ بس روز ہمارے خلاف ایف۔آئی۔آر کاٹنے کی دھمکی ہوتی تھی۔ آرٹسٹوں کو وہ مراثی کہتے تھے اور پینٹنگز کو واہیات۔[۱۷]

کشور ناہید ایک جوائنٹ سیکرٹری کا ذکر کرتی ہیں جو کہ فنکاروں کے لیے "مراثی" کا لفظ استعال کرتے تھے، وہ اس لفظ کو توہین آمیز جذبات کے ساتھ استعمال کرتے تھے۔ ہمارے معاشرے میں اس لفظ کو ایک گالی سمجھا جاتا ہے، جب کہ ہندوستان کی تاریخ میں مراثی "وارث" سے مشتق ہے جو اپنے اباواجداد کی وارثت کو آگے لے کر چلتے ہیں۔ [۱۸] ہمارے معاشرے میں اس لفظ کو طنز اور مذاق کی علامت بنا دیا گیا ہے، گانا بجانے والے کو معاشرے میں عزت کی نگاہ سے نہیں دیکھا جاتا۔ جوائنٹ سیکرٹری نے "مراثی" کا لفظ حقارت کے معنوں میں لیا ہے، مراثی کا لفظ باعث شرمندگی نہیں ہے بلکہ یہ ایک قوم اور قبیلے کا فخر ہے۔

> یہ لوگ اپنی بیئر کی بوتلیں نہر میں ٹھنڈی ہونے کو رسی کے ساتھ باندھ کر ڈال دیتے تھے۔ کبھی میں شعر پڑھتی تھی، کبھی حسن لطیف دھن بناتا کبھی امانت علی سر اونچا کرتا۔[۱۹]

کشور ناہید نے اپنی آپ بیتی میں 'بیئر' کا لفظ استعمال کیا ہے۔ بیئر انگریزی کا لفظ ہے جسے اردو میں "شراب" کو کہتے ہیں۔ کشور ناہید نے بیئر کے لفظ کو بہت عام تناظر کے طور پر لیا ہے، بیئر کی بوتلوں کو نہر کے پانی میں رسی ڈال کر ٹھنڈی کرنا، اس عمل کا بیان کشور ناہید نے سرعام کیا ہے۔ جو ان کی بے باکی اور نڈر پن کا ثبوت تو پیش کرتا ہے مگر ایک اسلامی معاشرے میں بیئر کا استعمال اسلامی اصولوں کے خلاف ہے۔ اس عمل کا بیان قاری کے لیے ہچکیاہٹ کا باعث ہو سکتا ہے۔ کیوں کہ شراب کی ہمارے اسلامی معاشرے میں ممانعت کی گئی ہے۔

> اٹلی میں گئی تو پہلے تو روم سے سیدھی ٹیکسی پکڑ کر بلاژیو چلی گئی، یہ پرانے بادشاہوں کے زمانے کا محل ہے جسے راک فیلر فاؤنڈیشن نے تحقیق کرنے والوں کے لیے مخصوص کر رکھا ہے۔[۲۰]

کشور ناہید نے اپنے بلاژیو دورے کا بتاتے ہوئے ایک اصطلاح "راک فیلر فاؤنڈیشن" کا ذکر کیا، راک فیلر فاؤنڈیشن نے پرانے بادشاہوں کے محل میں کچھ مخصوص لوگوں کی تحقیق کے لیے وقف کر رکھا ہے۔ راک فیلر فاؤنڈیشن ایک ایسا شخص تھا جو ایک چھوٹے سے تیل کے کارخانے سے بہت بڑا سرمایہ دار بن گیا۔ انسانی فلاح و بہبود

کے لیے کام کرنے والے اداروں کی راک فیلر نے بہت مدد کی، اس نے معاشرتی علوم کی ترقی کے خاطر ۱۹۰۱ء میں اپنی بیوی کی یاد میں "راک میموریل فاؤنڈیشن" قائم کی۔[۲۱]

ان ساری کیفیات کو لکھتے وقت مجھے جاپان میں ہیروشیماء، اٹلی پومپیائی کی تباہی کا منظر نہیں بھولتا ہے۔ ہیروشیما میوزیم کو دیکھ کر کیا اب تو سوچ کر بھی رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں۔[۲۲]

جاپان میں ہیروشیماء کے لفظ کے ساتھ ساتھ کشور ناہید نے اٹلی میں "پومپیائی" کے لفظ کا ذکر بھی کیا ہے۔ پومپیائی اٹلی کا ایک بہت قدیم شہر تھا۔ جو آتش فشاں پہاڑوں کے پھٹنے سے دب کر رہ گیا تھا اور ۱۷۵۵ء میں اس شہر کے مقام کے بارے میں معلومات ملیں۔ اس شہر کی تباہی کی وجہ قوم لوط کی طرح بے راہ روی، بدکاری اور بدفعلی جیسی عادات میں مبتلا ہونا بتایا جاتا ہے۔ پومپیائی شہر کی تباہی ایک آتش فشاں پہاڑ کے پھٹنے سے ہوئی جو کم از کم دو سال کے عرصے تک اپنے اندر لاوا رکھ کر جلتا رہا۔[۲۳]

کشور ناہید ادبی شاعرہ، سرکاری آفسر ہونے کے ساتھ ساتھ سیاست کے معاملات پر بھی گہرہ نگاہ رکھتی تھیں۔ ان کی اس خود نوشت میں بہت سی سیاسی اصطلاحوں کا استعمال بھی دیکھائی دیتا ہے۔ ان سیاسی اصطلاحات کے معانی سیاست سے تعلق رکھنے والے اشخاص ہی بہترین طور پر بتا سکتے ہیں۔ سیاسی اصطلاحات سے واقفیت، اس دائرہ کار سے تعلق رکھنے والے لوگوں کی ہوتی ہیں۔ کشور نے جن سیاسی اصطلاحات کا استعمال کیا ہے ان میں انٹر نیشنل سینٹر، تحریک پاکستان، وزراعت اطلاعات و مشیر، اسلامک سمٹ، ہوم سیکرٹری، سیکرٹری منسٹری، پیپلز پارٹی، نیب، وزرارت داخلہ، پارلیمانی کمیٹی، کمپلیمنٹ سیل، اسلامی نظریاتی کونسل اور انفارمیشن منسٹری وغیرہ شامل ہیں۔ ان تمام اصطلاحات کا استعمال کشور ناہید کی سیاسی معاملات پر عبور رکھنے کی طرف اشارہ دیتی ہیں۔

اس کے علاوہ بھی دیگر کئی اصطلاحات کی مختصر فارم استعمال کی ہے۔ جس سے عام پڑھنے والا قاری ابہام کا شکار ہو سکتا ہے اور اور اسے ان اصطلاحات کے معانی تک رسائی حاصل کرنے کے لیے کسی اور ذرائع سے مدد درکار ہوتی ہے۔ کشور ناہید کی یہ خود نوشت ہر عام و خاص شخص کے لیے یکساں ہے۔ یہاں استعمال کی گئی مختصر ترین اصطلاحوں کا مخفف اگر بریکٹ میں دیا جاتا تو قاری کو بات سمجھنے میں آسانی پیدا ہوتی۔ کشور ناہید کی مختصر فارم اور ان کے مخففات بریکٹ میں دیے گئے ہیں

"میرے دل کے آرکائیوز میں ۱۹۶۵ء اور ۱۹۷۱ء کی جنگ کے سارے زمانے ہیں۔ جن ایم۔ آر۔ ڈی، پی۔ این۔ اے کی تحریک چلی۔"[۲۴]

اس زمانے میں سوائے پی ٹی وی کے کوئی اور ذریعہ نہیں تھا۔[۲۵]

دفتر کے سارے سٹاف کو منع کر دیا گیا کہ کوئی مجھ سے رابطہ نہ رکھے ورنہ اس کی اے۔ سی۔ آر خراب کر دی جائے گی۔[۲۶]

ان دنوں جنرل انصاری ایل ڈی اے کے چیف تھے۔[۲۷]

کام کرتے ہوئے این۔ جی۔ او حوا کا کام بھی دفتری اوقات میں اپنی تئیں جاری رکھا۔[۲۸]

ایم آر ڈی تحریک کو (Movement for the restoration of Democracy) کہا جاتا ہے۔ اس تحریک کو اردو میں تحریک بحالی جمہوریت کہا گیا تھا۔ اس تحریک کے مقاصد میں جنرل ضیاء الحق کے دور میں لگائے جانے والے مارشل لاء کے خلاف آواز بلند کرنا تھا۔

پی۔ این۔ اے کی تحریک کو (Pakistan National Alliance) پاکستان قومی اتحاد کی تحریک بھی کہا جاتا ہے۔ اس اتحاد کا مقصد ۱۹۷۷ء میں ہونے والے عام انتخاب میں ذوالفقار علی بھٹو کا مقابلہ کرنا تھا۔

پی ٹی وی (Pakistan Television centre) اردو زبان کا ایک ٹی وی چینل ہے جسے سرکاری سرپرستی حاصل ہے ۔ دفاتر میں یہ ایک ایسی رپورٹ ہے، جس میں کسی دفتری کارکن کی اے سی آر (Annual Confidentail Report) کی کارکردگی کا اظہار خفیہ طور پر کیا جاتا ہے اور یہ رپورٹ حکومتی اہم اداروں کو بھیجی جاتی ہے۔

ایل ڈی اے (Lahore Development Authority) زمینوں پر قابض اور کرپشن کے خلاف کاروائی کرنے والے ایک ادارے کا نام ہے۔

این جی او (Non Govermental Organization) کسی بھی ملک کے اندر این جی او رضاکارانہ سماجی خدمات انجام دیتی ہیں۔

اس کے علاوہ بھی کشور ناہید پی این سی، ویف، ایل ۔ دی۔ اے، ڈی ۔ وی۔ ڈیز اور ڈی۔ جی کلچر جیسی انگریزی مختصر فارمز کا استعمال کرتی ہیں۔ مندرجہ بالا تمام مخففات کشور ناہید اپنی خود نوشت میں استعمال کرتی ہیں۔ یہ تمام اصطلاحیں وہ قاری ہرگز نہیں سمجھ سکتا جس کا سیاسی معاملات سے تعلق نہ ہو۔ ان تمام اصطلاحات کو سمجھنے کے لیے کسی سیاسی دائرہ کار سے وابستہ شخص کی رائے ضروری ہے۔

اسی طرح اردو کی ایک مایہ ناز شاعرہ ہونے کے باوجود کشور ناہید اپنی آپ بیتی میں جابجا انگریزی الفاظ کا استعمال کرتی نظر آتی ہیں۔ جب کہ اگر دیکھا جائے تو ان تمام الفاظ کے متبادلات اردو ادب میں موجود ہیں۔ مندرجہ ذیل جملوں میں انگریزی الفاظ کا استعمال دیکھا جا سکتا ہے۔

ایک دفعہ فیصلہ ہوا کہ دوپہر کا لنچ کریں گے اور سب ایک ایک ڈش لے کر آئیں۔[۲۹]

میں جب کمرے میں آئی تو خوش آمدید کے کارڈ کے علاوہ پوری ٹرالی مختلف قسم کی ڈرنکس کی بوتلوں بھری تھی۔[۴۰]

چائے دی جائے اور قطعی طور پر ان کو ڈسٹرب نہ کیا جائے۔ہال میں یونی ورسٹی کے لڑکے اور کبھی کبھی لڑکیاں بھی آکر بیٹھتی تھیں اور نوٹس بناتی تھیں۔[۴۱]

ان تمام جملوں میں لنچ، ڈش، کارڈ، ٹرالی، ڈسٹرب، ڈرنکس، کمپیئر، ڈیموٹیشن، پروموشن، اپلائی، آڈر، ہیڈ، ڈریس اور سیشن جیسے الفاظ کا استعمال کیا ہے ،جب کہ ان الفاظ کے متبادل اردو میں (دوپہر کا کھانا ، پرچہ، رسالہ، مطالعہ، دائرہ کار، پریشان، خارج ، مقرر، تنزلی، ترقی، حکم جاری کرنا، سربراہ، اجلاس)موجود ہیں انگریزی الفاظ کے بجائے اگر اردو الفاظ کا استعمال کیا جاتا تو اردو زبان کی ترویج میں بھی مدد ملتی۔

پتہ چلا کہ بنیظیر چاہتی ہیں کہ ۱۴ اگست کو سارے علاقوں سے موسیقار اور ڈانسرز بلائے جائیں جو ڈی چوک میں رقص کریں۔[۴۲]

اب تو ہمارے عیش تھے۔ہر کوٹھے کا دروازہ کھلتا گیا، ڈھولکیاں بجتی اور گھنگھرو مچلتے گئے۔[۴۳]

ابھی عدنان چھوٹا تھا مگر پیانو اور گٹار کمال کا بجاتا تھا۔[۴۴]

اسی طرح اس آپ بیتی میں کچھ ایسے الفاظ نظر آتے ہیں جو علامتی طور پر خوشی کے اظہار کا نام ہیں۔ ڈھولک، گھنگھرو، پیانو، گٹار، میوزک، گانا، ڈانس یہ تمام الفاظ ایک ہی کیٹگری موسیقی سے تعلق رکھتے ہیں، ڈھولک بنیادی طور پر ایک ایشائی لوک ساز ہے، جس کی روایت خوشی اور بلاوے کے اظہار کے لیے صدیوں سے چلی آرہی ہے۔ پاک وہند میں ڈھولک کی تھاپ پر رقص کیا جاتا ہے۔ کسی زمانے میں اس آلات موسیقی پر رقص بھی کیا جاتا تھا۔لہٰذا ڈھولک خوشی کی علامت کے طور پاک وہند میں جانی جاتی ہے۔ اسی طرح رقص کی روایت بھی خوشی اور جذبات کا اظہار ہیں۔

پیانو اور گٹار کا شمار بھی آلات موسیقی میں ہوتا ہے مگر ان آلات کی روایت مغرب سے ہمارے یہاں آئی ہے، پیانو کا استعمال مغربی ممالک میں ہوتا ہے۔ گٹار آج کی دنیا کا سب سے مقبول ترین ساز بن چکا ہے، گٹار کے چھ تاروں سے موسیقی کی دھنیں پیدا ہوتی ہیں۔ہماری پاکستانی ثقافت میں ڈھولک، گھنگھرو، رقص ان موقعوں پر کیا جاتا ہے۔جب ایک قوم خوشی کو منانا چاہتی ہو۔جشن آزادی کے موقع پر ڈی چوک میں رقص خوشی کا استعارہ ہے۔ جہاں ڈھولک اور گھنگھرو خوشی منانے کا روایتی طریقہ ہے۔ وہی لاہور کے شاہی محلوں (یعنی کوٹھوں) میں بسنے والی کم عمر لڑکیوں کی مجبوری کی داستان بھی پیش کرتے ہیں۔شادی بیاہ کے موقع پر رقص وسرور کی محفلیں اور دھولک کی تھاپ

پر رقص اپنی خوشی کا اظہار کرنے کا ایک طریقہ ہے جب کہ دوسری طرف یہی ڈھولک اور گھنگھرو کسی کی بی بسی اور بے کسی

کی داستاں بھی ہے جہاں پاؤں پائل کے ذریعے زنجیر میں جکڑے جانے کی علامت بھی ہے۔

وہ تو شکر ہے کہ میری شادی کا قصہ اس زمانے میں خبروں کا حصہ بنا۔ حلقہ ارباب ذوق میں چہ مگوئیاں ہوئیں۔[۳۵]

بھٹو صاحب کی حکومت کے ساتھ راشدی صاحب کی سیاست کا سورج بھی غروب ہو گیا۔[۳۶]

سونے پر سہاگہ ہوا جب جوائنٹ سیکرٹری بھی پولیس کے شعبے سے تھے۔[۳۷]

مگر شام ۴ بجے دفتر کے اوقات ختم ہونے کے بعد وہ دوپٹہ ایک طرف پھینک کر صوفے پہ آلتی پالتی مار کر بیٹھ جاتی تھیں۔[۳۸]

ہیروشیما میوزیم کو دیکھ کر کیا اب تو سوچ کر بھی رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں۔[۳۹]

وارث علوی اور باقر مہدی اکٹھے ہوں تو ایک دوسرے کے سر پر کرسی اٹھا کر مارنے کی کسر رہ جاتی ہے۔[۴۰]

نارنگ صاحب کا گفتگو کا وہ سلیقہ کہ سننے والا عش عش کر اٹھے۔[۴۱]

اردو زبان میں محاورات کسی بھی زبان میں منتقل ہونے والے وہ مختصر جملے ہیں۔ جو کسی بھی صورت حال کو چند الفاظ میں مکمل طور پر بیان کر دیتے ہیں۔ کشور ناہید کی خودنوشت میں بہت سے جملوں میں محاورات کا استعمال نظر آتا ہے۔ جو جملوں کو مکمل طور پو عملی معانی پہنانے میں اہم کردار ادا کرتے ہیں۔ مندرجہ ذیل چند ایسے محاورات پیش کیے گئے ہیں جن کا استعمال موقع محل کی مناسبت سے کیا گیا ہے۔

کشور ناہید اپنی آپ بیتی میں " چہ مگوئیاں، سورج غروب ہونا، سونے پر سہاگہ، آلتی پالتی مار کر، رونگٹے کھڑے ہونا اور عش عش کر اٹھنا جیسے محاورات کا استعمال کیا گیا ہے ان مثالوں سے اس بات کی وضاحت ہوتی ہے کہ کشور ناہید اپنی آپ بیتی میں جابجا محاورات کا استعمال کرتی ہیں جو ان کی تحریر کو دلچسپ بنانے کے ساتھ ساتھ ان کی اردو زبان پر مہارت کا ثبوت پیش کرتی ہے۔

کشور ناہید کی اس خودنوشت میں انگریزی الفاظ کے ساتھ ساتھ کئی کئی انگریزی جملوں کا استعمال بھی کہیں کہیں نظر آتا ہے۔ کشور ناہید نے ان جملوں کو قوسین میں پیش کیا ہے۔ یہ وہ جملے ہیں جو کشور ناہید خود اپنے منہ سے

نہیں کہتیں بلکہ یہ جملے کسی سیاسی شخصیت اور احباب سے ادا کیے گئے ہیں، جسے کشور ناہید نے اپنی کتاب میں ہو بہو نقل کیے۔

آپ بیتی میں استعمال کیے گئے تمام انگریزی جملے کسی نہ کسی منطقی بات کو جنم دیتے ہیں، جو کسی مقصد کی تکمیل میں اہم کردار ادا کرتے ہیں، مثلاً

بھٹو صاحب کے سیکرٹری کے بارے میں ادا کیے گئے جملوں سے سیکرٹری کے احمقانہ سوال پر تمسخر کے طور پر یہ جملے کہے گئے

""just shampoo your hair" [۴۲]

وزارت خارجہ کی سفارش پر بھٹو صاحب کا لکھا گیا انگریزی جملہ

"Let him die on his commode "[۴۳]

سیکرٹری اطلاعات مجیب الرحمان کے کشور ناہید کے بارے میں لکھے گئے الفاظ، جنہوں نے کشور ناہید کے کام اور اہمت کو واضح کرنے میں مدد دی۔

"Can't this ministry work without Kishwar Naheed"[۴۴]

کشور ناہید کے ہیڈ کی طرف سے لکھے گئے الفاظ.

"Put up previous paper"[۴۵]

راشدی صاحب کے لکھے گئے الفاظ، جن کو کشور ناہید نے بھٹو صاحب کے سامنے اظہار کیا۔

"I place the file on the feet of Bhutto sahib"[۴۶]

بھٹو صاحب کے کشور ناہید کی فائل پر لکھے گئے الفاظ

"I reinstate both the nobel writers of Pakistan"[۴۷]

یہ تمام انگریزی جملے جن کا بیان کشور ناہید نے اپنی کتاب میں کیا۔ یہ جملے جن شخصیات کی طرف ادا کیے گئے تھے، جو اس دور میں ایک خاص اہمیت رکھتے تھے۔ جن کی قدر و قیمت سیاسی گروہوں میں جانی جاتی تھی۔ ان شخصیات کے منہ سے ادا کئے گئے جملے بھی اپنا ایک خاص معانی رکھتے ہیں۔ جو کشور ناہید گفتگو کو عملی جامہ پہنانے میں اہم کردار ادا کرتے ہیں۔

ان شخصیات کے الفاظ کی قدر اپنے عہدے کی بدولت ہی کسی فائل پر لکھے گئے الفاظ، کسے جلسے میں بولے گئے الفاظ کسی شخص کی زندگی میں مثبت یا منفی اثرات ڈال سکتے ہیں۔ کسی سیاسی شخصیت کا اپنے عہدے کا صحیح اور غلط استعمال اچھے اور برے دونوں حالات کو جنم دے سکتا ہے۔

کشور ناہید نے جتنا عرصہ بھی ملازمت میں گزارا۔ جن جن دفاتر میں کام کیا انھیں دفتری اصطلاحات ازبر ہو گئیں ۔ آپ نے مختلف دفاتر میں مختلف عہدوں پر کام کیا۔ جہاں روزمرہ کے معمولات میں دفاتری اصطلاحات استعمال ہوتی تھیں۔ اپنی اس آپ بیتی میں بھی کشور بہت سی دفاتری اصطلاحات کا استعمال کرتی ہیں ۔ ہر دفتری اصطلاح اپنے عہدے کی نوعیت بیان کرتی ہے۔ کشور ناہید ایک پڑھی لکھی خاتون ہیں۔ سیاسی، دفتری اور ادبی تینوں میدانوں کا وسیع علم رکھتی ہیں۔

ہر روز شکایتی خط نیب کو، پارلیمانی کمیٹی کو اور کمپلیمینٹ سیل کو۔ خط کا متن ایک ہی ہوتا تھا، اس کو سفارت خانے پر اجیکٹ کے لیے کیوں دیتے تھے۔ یہ ان کی ایجنٹ ہے وغیرہ وغیرہ۔ [۴۸]

یہ جوائنٹ سیکرٹری، سے پروموشن لیتے لیتے جوائنٹ سیکرٹری کی کرسی تک پہنچا تھا۔ [۴۹]

یہ تمام اصطلاحات پارلیمانی کمیٹی، کمپلیمینٹ سیل، سفارت خانے، اسسٹنٹ اور جوائنٹ سیکرٹری اردو میں انگریزی کے زیر توسط آئیں۔ دفاتر میں مختلف عہدوں پر کام کرنے والے اراکین کو ایک مخصوص نام دیے جاتے ہیں ، جو اس عہدے کی اہمیت سے آگاہ کر دیتے ہیں اور دفاتر اور اداروں میں ان عہدوں پر فائز حضرات کا درجہ ظاہر کر دیتے ہیں۔ دفاتر میں استعمال ہونے والی اصطلاحات عہدے کی اہمیت اور علامت اور کشور ناہید کا اپنی ملازمت پیشہ زندگی میں جن لوگوں سے واسطہ پڑا ان کا بیان ہے۔ دفتری معاملات میں کشور ناہید کے ساتھ کام کرنے والے احباب کا رویہ کیسا تھا، ان تمام واقعات کا بیان کشور ناہید کی آپ بیتی کی معنویت میں اضافہ کرتے ہیں۔

اب ایک اور سیکرٹری آئے۔ وہ محکمہ پولیس سے تھے۔ ان کی ریٹائرمنٹ میں چندماہ باقی تھے اس لیے انہیں سیکرٹری کلچرل لگا دیا گیا۔ وہ ہر اپنی پولیس کی کارستیانیاں سناتے رہتے۔ سونے پر سہاگہ یہ ہوا کہ جوائنٹ سیکرٹری بھی پولیس کے محکمے سے تھے۔ آرٹسٹوں کو مراثی کہتے تھے اور پینٹنگز کو واہیات۔ [۵۰]

کشور ناہید یہاں ایک سیکرٹری صاحب کا ذکر کرتی ہیں، وہ بقول کشور ناہید " وہ آرٹسٹوں کو مراثی کہتے اور پینٹنگز کو واہیات "۔ کسی بھی زبان میں مراثی اور واہیات کے الفاظ غیر اخلاقی الفاظ ہیں۔ جنہیں معاشرے کا پڑھا لکھا فرد استعمال کرنے سے گریز کرتا ہے۔ پینٹنگز اور مراثی یہ دونوں ہماری ثقافت کے بہترین فنون ہیں۔ اوپر بیان کیے گئے جملے میں " مراثی " اور " آرٹسٹ " دو الفاظ استعمال کیے گئے ہیں۔ مغربی ممالک میں مراثی کو ارٹسٹ کہا جاتا ہے ، اور مصوری کے لیے "پینٹنگز" کا لفظ بھی مغربی میراث ہے۔ جو آج کل پاک وہند میں بھی رائج ہو چکی ہے۔

مصوری کا فن دنیا کا قدیم ترین فن ہے۔ یہ فن کسی تہذیب و ثقافت کا رنگوں کے ذریعے اظہار کرتی ہے۔ فرق صرف یہ ہے کہ قدیم زمانے کی مصوری اور جدید زمانے کی مصوری دور جدید کے تقاضوں کے مطابق اپنا

مدعابیان کرتی ہے۔ یہ تصویری زبان ہر دور میں بولی جاتی ہے۔ آج مصوری بھی وقت کے ساتھ ساتھ اپنے اندر جدت لا چکی ہے، مصوری کے فن کو واہیات کہنا غیر اخلاقی ہے۔ مصوری بھی ایک ایسی زبان ہے جو کسی واقعے کو معانی پہنانے میں اہم کردار ادا کرتی ہے۔

اس کے ساتھ ہی پاک وہند کی ثقافت میں مراثی وہ قوم ہے جو کسی خاندان کا شجرہ نصب یاد اور دیگر شادی بیاہ کی تقریبات میں اپنی خدمات انجام دیتی ہیں۔ اس لیے اس لفظ کے معانی "وارث" کے ہیں۔ سیکرٹری صاحب کے استعمال کیے گئے لفظ "واہیات" کے اردو لغت میں معانی "غیر مہذب، فحش، اوباش، گھٹیا وغیرہ کے ہیں۔ کسی مصور کے فن کو واہیات کہنا اس کے فن کی توہین ہے۔

> غیبت سیشن تو بہت مزیدار ہوتا تھا جو من و سلویٰ کی نشست کے بعد ہوتا تھا۔ جب لوگوں کو پتا چل گیا کہ بعد میں غیبت سیشن ہونا ہے تو کوئی اٹھ کر ہی نہ جاتا۔ [۵۱]

کشور ناہید کچھ جملوں میں غیبت کا لفظ استعمال کرتی ہیں، غیبت کرنا ایک گناہ ہے، کشور ناہید نے اپنی آپ بیتی میں اس عمل کو ایک مزیدار سیشن کے طور پر لیا ہے۔ اس عمل کو مزیدار سیشن کے طور پر دیکھنا ہمارے اصولوں کے خلاف ہے۔ غیبت کسی کی غیر موجودگی میں اس کے عیب یا برائی بیان کرنے کا نام ہے۔ جس سے ہمارے دین میں ممانعت کی گئی ہے۔ اس طرح کے فعل کا بیان غیر مناسب ہے۔ زبان ایک سماجی مشق کا نام ہے۔ لہٰذا کسی بھی مصنف کو اپنے متن میں ایسے الفاظ اور فعل کا بیان کرنا چاہیے۔ جو قاری کے ذہنوں پر مثبت اثرات چھوڑے۔

> سحر صاحب حسب معمول چوڑی دار پاجامہ، کھسہ اور پگڑی پہنے ہوئے تھے استاد دامن اپنے طریقے پر دھوتی پہنے اور سر پر پرناڈالے ہوئے تھے۔ [۵۲]

> اس سے پہلے یعنی جب لغاری صاحب وزیر تھے، تو یہ بیگم صاحب کافی پارٹی تھیں اور ڈیرہ غازی خان کے شیڈوورک کے دوپٹے اور سوٹ فروخت کیا کرتی تھیں۔ [۵۳]

کشور ناہید نے آپ بیتی میں چوڑی دار پاجامہ، کھسہ، پگڑی، دھوتی، پرنا، ٹاپ، ٹراؤزر، ساڑی، شیڈوورک کے دوپٹے اور سوٹ، ڈائمنڈ سیٹ، ان تمام الفاظ کا تعلق ایک ہی کیٹیگری سے ہے۔ یہ تمام الفاظ کسی ملک و قوم کی ثقافت کا عکس پیش کرتے ہیں اس کے ساتھ ساتھ کسی شخص کی شخصیت کے آئینہ دار بھی ہیں۔ کھسہ، پگڑی، دھوتی ہماری پنجاب کی ثقافت کی علامت ہے جب کہ شیڈوورک سندھی کلچر کی خواتین کشیدہ کاری کرتی ہیں۔ ساڑھی کی روایت بنگال اور ہندوستانی خواتین سے وابسطہ ہے، جب کہ ٹاپ ٹراوزر مغربی ممالک کا لباس ہے۔ اس آپ بیتی میں استعمال

کیے گئے تمام غیر لسانی الفاظ کسی ریاست کی تہذیب اور وقار کی علامت ہیں۔ اس کے علاوہ یہ کسی انسان کی شخصیت اور مزاج کی عکاسی کرتا ہے۔

اس نوٹ بک میں مصنفہ نے مختلف شخصیات کی طرف سے کیے گئے پنجابی سطروں کو بھی شامل کیا ہے۔

> چائے پینے جب میرے کمرے میں آئیں تو پوچھا۔ "تسی ٹیلی وژن تے آندے آو" میں نے جب ہاں میں جواب دیا تو ساتھ ان کی خالہ تھیں، ان کو مخاطب کر کے کہا 'اے ٹی۔ وی تے آندی اے" اتنے میں دلدار پرویز بھٹی نے کمرے میں جھانکا۔ میں نے کہا۔ "جی اے وی ٹی وی تے آندااے" پرویز کو دیکھ کر خوش ہوئیں، بولیں "مینوں تے بڑا پسند اے۔[۵۴]

ان تمام پنجابی جملوں کا تبادلہ کشور ناہید کے ساتھ بات چیت کے دوران کیا گیا، شمیم جالندھری اپنا اثر ورسوخ کا استعمال کرتے ہوئے حکم صادر کرتی ہیں اور ان کے احکامات پر عمل درآمد بھی کیا جاتا ہے۔

کشور ناہید کی آپ بیتی میں بہت سی جگہوں پر سوالیہ، جوابیہ، استعجابیہ اور طربیہ جملوں کا استعمال بھی کیا گیا ہے۔ کسی شخص سے سوال کی غرض سے پوچھے جانے والے جملے سوالیہ جملے کہلاتے ہیں کسی سوال کے رد عمل میں ادا کیے جانے والے جملے، حیرت کے اظہار کے لیے ادا کیے جانے والے جملے اور ایسے جملے جن میں ہنسی یا مذاق کا عنصر پایا جائے، جوابیہ، استعجابیہ اور طربیہ جملے کہلاتے ہیں۔ جن کی مثالیں ذیل میں بیان کی جا رہی ہیں۔ مندرجہ ذیل میں سوالیہ، جوابیہ اور استعجابیہ جملوں کی مثالیں دیکھی جاسکتی ہیں۔

> میں نے کہا۔ "میں بتاؤں یہ کھانا کہاں سے آیا ہے؟" بولے۔ "تمہیں کیسے خبر؟" میں نے پھر ضد کی مجھے بتانے تو دیں۔ "کہا"۔ "بولو"۔ میں نے کہا۔ بیگم آغا بابر نے بھیجا ہے۔[۵۵]

> مارکر صاحب! میں تو پیتی نہیں اور پھر اتنی ساری بوتلیں ہیں ان کا کیا کروں؟ جواب دیا۔ "تم پاکستان کی اکیلی نمائندہ ہو۔ بہت سے صحافی تمہارا انٹرویو کرنے آئیں گے۔ تم ہر نمائندے کو اپنی طرف سے تحفہ دے دینا۔[۵۶]

مندرجہ امثال میں سوالیہ اور جوابیہ جملوں کی جھلک نظر آتی ہے۔ پہلی مثال میں "کھانا کہاں سے آیا" تمہیں کیسے خبر؟ اتنی ساری بوتلیں ہیں ان کا کیا کروں؟ یہ سب سوالیہ جملے ہیں۔ کہاں، کیسے، کب، کون، کیا یہ سب حروف استفہام ہیں جو کسی سے جملے میں سوال کرنے کے موقع پر بولے جاتے ہیں،

> ایک دن میں نے جل کر کہا۔ "کیا ہل چل میں سے بھی ہل نکال دوں؟" مگر کسی افسر نے برا نہ منایا، سب ہنس دیے معاملہ رفع دفع ہو گیا۔[۵۷]

بھٹو صاحب نے غصے میں آکر کہا۔"تمہارا محکمہ انہیں کتنے پیسے دیتا ہے ؟میں نے کہا۔چار ہزار۔"بولے۔"اتنے پیسے کا گوشت تو میرا کتا کھا جاتا ہے۔[۵۸]

اماں آپ مریں گے تو ہم امیر ہو جائیں گے۔[۵۹]

کشور ناہید کی نوٹ بک سے لیے گئے یہ چند جملے طربیہ جملوں کی امثال ہیں، ان جملوں کو پڑھنے سے قارئین کے چہروں پر مسکراہٹ کے تاثرات ابھرتے ہیں۔جب کہ آخری مثال استعجابیہ جملے کی ہے، جسے پڑھ کر قارئین حیرت میں مبتلا ہو جاتا ہے۔

کشور ناہید کی کتاب میں قواعدی اعتبار سے جملوں کی مختلف نوعیت نظر آتی ہے۔نہ صرف جملے بلکہ مرکب مصدری، توصیفی، نحوی معانی اور حروف عطف جیسے الفاظ نظر ملتے ہیں۔ حسب مقدور، روح رواں، رجعت پسند، خردافروزی، روشن خیالی، درد سر، داخل دفتر، حسن کارکردگی، دعوت کلام، ماہر تعمیرات، بلا معاوضہ جیسے بہت سے ایسے نحوی تراکیب ملتی ہیں۔

اس آپ بیتی میں کئی کئی ایسے الفاظ بھی ملتے ہیں جو ایک ہی مادے سے تشکیل پاتے ہیں، مثلاً دامے درامے، جلوس اور جلسے، کتابت کاتبوں، موسیقی اور موسیقار جیسے الفاظ ایک ہی مصدر سے بنے ہیں۔"خوش گفتار اور خوش مزاج کے الفاظ مرکب توصیفی ہونے کے ساتھ ساتھ سابقے بھی ہیں۔من و سلویٰ کی ترکیب حروف عطف کی مثال ہے۔

کشور ناہید کی آپ بیتی میں کچھ ایسے الفاظ بھی نظر آتے ہیں جن کا لغوی معانی تبدیل ہے اور وہ لفظ جملے میں اپنے معانی تبدیل کر رہا ہے۔الفاظ "حجرہ، نشت اوراڈا" کے لغوی اور ساختیاتی معانی میں اختلاف پایا جاتا ہے۔مثلاً

اس طرح یہ نشست رات دیر تک چلتی رہتی ہے۔[۶۰]

کشور کا دفتر سب دوستو کا حجرہ ہوتا تھا۔[۶۱]

یہاں ہی میری پڑھائی لکھائی کا اڈا ہے۔[۶۲]

مثال نمبر ا میں نشست کا لغوی معانی "بیٹھک، صحبت، کرسی" کے ہیں مگر یہاں نشست کے معانی دوستوں کے ساتھ رات بھر محفل جاری رکھنے کے ہیں۔مثال نمبر ۳ میں "اڈا" کا لفظ استعمال ہوا ہے۔اردو لغت میں اس لفظ کے معانی (ٹانگوں یا بسوں وغیرہ کے کھڑے ہونے کی جگہ، پرندوں کے بیٹھنے کی لکڑی، کاریگروں کے کام کرنے کی جگہ، جوتے کی ایڑی ہے) جب کہ کشور ناہید کے اس جملے میں اڈا کے معانی ایک خاص جگہ کے ہیں جہاں وہ پڑھائی لکھائی کا کام کرتی ہیں۔

یکم مئی یعنی مزدوروں کا دن اور وہ بھی ضیاء الحق کے زمانے میں، پاک ٹی ہاوس میں ایسے منایا
جاتا کہ جس جگہ جو کرسیاں رکھی ہیں، وہ وہیں رہیں۔ [۶۳]

کشور ناہید نے اپنی آپ بیتی میں ایک تاریخی لفظ "یکم مئی" کا لفظ استعمال بھی کیا ہے۔ اس لفظ کی ہماری تاریخ میں ایک خاص اہمیت ہے یکم مئی مزدروں کے عالمی دن کے طور پر منایا جاتا ہے۔ ۱۸۸۶ء میں مغربی ممالک میں صنعتی انقلاب کے بعد سرمایہ کاروں نے بدعنوانیاں شروع کر دیں جس کی خلاف امریکا کے شہر شگاگو سے محنت کشوں کی مختلف احتجاجی ریلیاں سامنے آئیں، اس محنت کش طبقے کی محنت رنگ لے آئی اور دن میں آٹھ گھنٹے کام کرنے کے اوقات حاصل کرنے میں کامیاب ہوگئے۔ ہر سال یکم مئی کے دن کو مزدروں کی اس کوشش کو خراج تحسین پیش کیا جاتا ہے۔

کشور نے ہیر وشیماء کے تاریخی لفظ کا ذکر کیا ہے، ہیر وشماء دنیا کی تاریخ میں رور نما ہونے والا سب سے شرمناک واقعہ ہے جو دوسری جنگ عظیم کے موقع پر پیش آیا، دوسری جنگ عظیم کے موقع پر امریکہ نے جاپان کے دو شہروں ہیر وشماء اور ناگاساکی میں ایٹم بم گرایا جس کی وجہ کئی لاکھ لوگ جائے موقع پر مارے گئے تھے۔

ہیر وشیماء کا میوزیم دیکھ کر دل بھر آتا ہے۔ کہیں جلی ہوئی پینٹ کا حصہ رکھا ہے، کہیں کسی کتاب
کا ورق۔ کہیں بلڈنگوں کی بچی اینٹیں۔ [۶۴]

آج بھی دنیا بھر کی لائبریوں میں مزاحمتی ادب کے حوالے کے طور پر احتساب کا پرچہ موجود
ہے۔ [۶۵]

کشور نے "مزاحمتی ادب" کی ایک اصطلاح کا استعمال کیا ہے، مزاحمتی ادب اردو ادب کے لکھاریوں کی ایک ایسی تحریک تھی، مزاحمتی ادب تسلط کے خلاف ایک پرچہ لکھا جاتا ہے۔ مزاحمتی ادب کو زیادہ سپورٹ کرنے والی تحریک ترقی پسند تحریک تھی۔ اردو میں مزاحمتی افسانوں کے ساتھ ساتھ مزاحمتی شاعری بھی لکھی گئی۔ کشور ناہید بھی مزاحمتی شاعروں میں اہم مقام رکھتی ہیں۔

کشور نے اپنی اس یاداشت میں آسان اور پیچیدہ دونوں قسم کے جملوں کا استعمال کیا ہے۔ مثلا
یوسف کی آنکھ کھل گئی"" کھانا لکڑیوں پر پکتا تھا۔ [۶۶]

اس زمانے میں لسانی تشکیل کا غلغلہ تھا"" یوں سنسر والوں کے ساتھ لکن میٹی چلتی رہی۔ [۶۷]

مثال نمبر ا، آسان الفاظ کا مجموعہ ہے جس کو پڑھنے سے عام قاری جملے میں کہی جانے والی بات تک پہنچ جاتا ہے، جب کہ مثال نمبر ۲ کے جملوں کی بناوٹ پیچیدہ جس کو عام قاری اتنی آسانی سے نہیں سمجھ سکتا، جب کہ ایک ادبی قاری دونوں جملوں کے مفاہیم تک جلد رسائی حاصل کر لیتا ہے، ان دونوں جملوں سے یہ واضح ہوتا ہے کہ کشور نے اپنی یاداشت میں آسان اور پیچیدہ دونوں طرح کے جملے استعمال کیے ہیں۔ آسان جملوں کا استعمال اس بات کی وضاحت کرتا ہے کہ لکھاری کی توجہ بلاواسطہ اپنے قاری کی جانب ہے۔ جب کہ پیچیدہ جملوں کا استعمال اس بات کی دلیل ہے کہ لکھاری زبان کے استعمال پر پوری طرح قادر ہے اور وہ اپنے الفاظ کے استعمال سے قاری کو مدعو کرنے کی طاقت رکھتا ہے اور لکھاری زبان کی گہرائی سے بخوبی واقفیت رکھتا ہے۔ کشور ناہید کی آپ بیتی میں دونوں طرح کی خصوصیات پائی جاتی ہیں۔

> مشیر کاظمی نے "اے راہ حق کے شہیدو" ایسا ترانہ لکھا تھا اور نسیم بیگم نے جس طرح گایا تھا اسی طرح تنویر نقوی کا لکھا ہوا ترانہ 'رنگ لائے گا شہیدوں کا لہو" نور جہاں نے گایا تھا۔ [۶۸]
>
> پاکستان میں یہ تو سب کو یاد ہو گا کہ نہ یہ چاند ہو گا نہ تارے رہیں گے، مگر ہم ہمیشہ تمہارے رہیں گے۔ [۶۹]

کشور ناہید کا تعلق ادب کے ساتھ بہت گہرا تھا۔ ان کے دوست احباب سب ادب سے تعلق رکھتے تھے لہٰذا اس زیر مطالعہ آپ بیتی میں کہیں کہیں مختلف شعرا حضرات کے شعری مصرعے بھی نظر آتے ہیں۔ انھوں نے ادبی شعری اصناف نظم، نوحے، مرثیے، نعتیں، سلام، اور غزل وغیرہ کا ذکر بھی کیا ہے۔ کشور ناہید نے روشن آرا کے گانے، بجن بیگم سے نوحے اور مرثیے، ذالفقار بخاری سے میر انیس کا مرثیہ، مصطفیٰ قریشی سے نعت اور سلام سننے کا ذکر بھی کیا ہے، ہر صنف کا علم رکھنے والی شاعرہ ہیں، ۱۲ ربیع الاول کے میلاد کے اہتمام کے ساتھ دوستوں کی محفل میں میں ادب کی شعریت سے محظوظ ہوئیں۔ کشور ناہید نے اپنی اس آپ بیتی میں شاعرانہ الفاظ کا استعمال بھی کیا ہے۔

غیر لسانیاتی مطالعہ:

کشور ناہید کی نوٹ بک کو تین حصوں میں تقسیم کیا جاسکتا ہے۔ اول ان کی ذاتی زندگی کا بیان جس کا تذکرہ مصنفہ نے بہت مختصر انداز میں کیا۔ دوم ان کی دفتری زندگی کے معاملات اور سوم ان کی ادبی زندگی کے معاملات جن کا ذکر ان کی یاداشت میں ادبی حلقوں اور احباب کا ہے۔ ڈیبورا اشفرن کے بتائے گئے ماڈل کے مطابق غیر لسانیاتی

سرگرمیوں کا تعلق اکیڈمیا سے ہے۔ اکیڈمیا ایک ایسی سماجی سرگرمی کو بیان کرتا ہے، جس کی حدود وسیع تر ہوں، غیر لسانیاتی اور غیر مختص ہوں۔

ڈیبورا اشفرن کے اس نکتے کے مطابق ڈسکورس میں ان سماجی سرگرمیوں کا تجزیہ کیا جاتا ہے۔ جس کا تعلق کسی تحریر یا تقریر میں کہی ہوئی بات سے نہیں بلکہ اس خاص ماحول سے ہے جس میں لکھاری وہ بات کرتا ہے، اس خاص ماحول میں مقرر یا لکھاری نے کس طرح کا لباس زیب تن کیا ہوا تھا، لکھاری نے گھڑی کون سی پہنی تھی، کھڑے ہونے کا انداز کیسا تھا؟ چہرے کے تاثرات کیسے تھے؟ ہاتھوں اور ٹانگوں کی حرکات کیسی تھی؟ موبائل فون کون سا استعمال ہوا؟ وہ کس سماجی سرگرمی کا حصہ تھیں؟ ذرائع ابلاغ کون سے تھے؟ وغیرہ ان تمام سرگرمیوں کا تعلق کسی تحریر یا تقریر کی معنویت سے ہے۔

یہ وہ زمانہ تھا کہ لکڑیوں پر کھانا پکتا تھا۔ سواری کے لیے ٹانگہ یا بس۔ ہرچند سالم ٹانگہ بھی ایک روپے میں مل جاتا تھا مگر جب آپ کی تنخواہ تین سو روپے ہو تو قدم سنبھال سنبھال کر رکھنا پڑتے ہیں، یونی ورسٹی کی فیس، گھر کا خرچ ابھی تو گھر مفت کا تھا۔ یہ فلم کا دفتر تھا جس پر ہم قبضہ گیر ہو گئے تھے۔ [۷۰]

کشور ناہید کے ذاتی زندگی کے تذکرے کے دوران بہت سے واقعات ایسے ملتے ہیں۔ جو کشور ناہید کے متن کی معنویت میں اضافہ کرتے ہیں۔ مثلاً باب نمبر ا میں یوسف کامران کی جیب میں بیس روپے کا ہونا، سواری کے لیے بس یا ٹانگہ استعمال کرنا یہ وہ عوامل ہیں جو کسی متن کی معنویت بڑھانے میں اہم کردار ادا کرتے ہیں۔ جیب میں بیس روپے کا ہونا، سواری کے لیے بس یا ٹانگہ استعمال کرنا یہ وہ عوامل ہیں جو کسی متن میں اس بات کی طرف کی اشارہ کرتے ہیں کہ لکھاری کے مالی حالات کس طرح کے ہیں۔ جیب اور بس کا ذکر غیر لسانی سرگرمی ہے۔

یہ وہ دور تھا جب کشور اور یوسف کے مالی حالات اتنے اچھے نہیں تھے۔ کشور اور یوسف دونوں ایم اے دوم کے طلباء تھے اور ان کی شادی زمانہ طالب علمی میں ہی کر دی گئی تھی۔ خالی جیب، ٹانگہ اور بس میں سواری کشور ناہید کے بیتے کل کے سماجی حالات کو سمجھنے میں مدد دیتے ہیں۔ اس وقت کشور ناہید ایک طالب علم تھیں اور ان کی سواری ٹانگہ ہوا کرتا تھا۔

سارے ڈیپارٹمنٹ کے افسر مل کر ساڑھے دس بجے چائے پیا یا کرتے تھے۔ [۷۱]

اسی طرح کشور اپنے دفتری امور کی روٹین کا ذکر کرتی ہیں جہاں ڈیپارٹمنٹ کے سارے افسران ساڑھے دس بجے اکٹھے ایک جگہ بیٹھ کر چائے پیتے ہیں۔ تمام افسران کا ایک ہی ٹیبل پر بیٹھ کر چائے پینا ایک غیر لسانی فعل ہے، مگر اس غیر لسانی فعل سے ڈیپارٹمنٹ کے تمام افسران کی اتحاد و یگانت ظاہر ہوتی ہے۔ چائے کی میز پر سب کا مل جل

کر ایک ساتھ بیٹھنا، آپس میں مل جل کر رہنا اچھے اوقات ایک دوسرے کے ساتھ گزارنے کی طرف اشارہ ہے۔ دفتری روزمرہ اوقات کے دوران اس طرح کے فعل دفتر میں کام کرنے والے اراکین کے درمیان سماجی اور نفسیاتی طور پر اتحاد پیدا کرتے ہیں۔ جب کہ ہمارے دین میں اور ثقافت میں ہم آہنگی اور اتحاد قائم رکھنے کی تلقین بار بار کی جاتی ہے۔

کشور ناہید نے اپنی ایک غیر لسانی سرگرمی بے بی باسکٹ کی تیاری کا ذکر کرتی ہیں، جو ان کے ذاتی حالت کی بے چینی کو معانی پہناتی ہے، کشور ناہید اپنے زندگی کے نازک لمحات کے موقع پر بھی خود اکیلی ہر کام سنبھالتی رہیں۔ بے بی سکٹ کی تیاری کسی نئے آنے والے وجود کی طرف اشارہ کرتی ہے۔ ان تمام لمحات کو آپ نے اکیلے برداشت کیا ، خاندان سے ناراضگی، مالی حالات کا اچھے نہ ہونا مصنفہ کے بہادر ہونے کی نشاندہی کرتے ہیں۔ "" یوسف کو اٹھایا، نیند میں بولے۔ " سو جاو" میں نے اٹھ کر بے بی باسکٹ تیار کی"۔ [۳۲]

> بچے جب ڈیڑھ بجے سکول سے واپس آجاتے تھے۔ میں نے ان کو مصروف کرنے کے لیے مولوی صاحب کو قرآن پاک پڑھانے کے لیے مقرر کیا۔ جب میں ان سے فقہ اور دوسری اسلامی بنیادی پوچھیں تو وہ حیران ہو کر میرے کٹے ہوئے بالوں کو دیکھنے لگے اور چڑ کر کہا" آپ خود کیوں نہیں پڑھا لیتی ہیں۔ [۳۳]

کشور ناہید کے کٹے ہوئے بالوں کا ذکر ملتا ہے۔ جس کا تعلق غیر لسانی مطالعہ سے ہے۔ کسی انسان کا رنگ روپ لباس، بالوں کا اسٹائل ان سب باتوں کا تعلق انسان کے کی ظاہری شخصیت سے ہے۔ بالوں کا کٹا ہونا، رنگ روپ ، قمیض لمبی چھوٹی پہنا، یہ سب باتیں انسان کی ذاتی پسند وناپسند کو ظاہر کرتی ہیں۔ لیکن ہمارا معاشرہ ان سب باتوں پر طرح طرح کے فتوے لگا دیتا ہے۔ انسان کو نیک اور بد کے القابات سے پکارا جانے لگتا ہے۔ ایک ماڈرن خاتون کو دیکھ کر یہ سمجھ لینا کہ وہ عورت اپنے دین و مذہب سے بہت دور ہے، گھریلو امور میں اس کی کوئی توجہ نہیں یہ بات ایک مہذب معاشرے میں درست نہیں، مولوی صاحب کا کشور ناہید کے کٹے بالوں کو توہین آمیز نظروں سے دیکھنا اور طنز بھرے لہجے میں بچوں کو خود پڑھانے کا کہہ دینا۔ کسی انسان کی ظاہری خدوخال سے اس کے بارے میں منفی رائے قائم کر لینا ایک غیر اخلاقی فعل ہے جو آپس کے تعلقات میں بدگمانیوں کو جنم دیتا ہے، ہمارے دین میں بھی ہمیں بدگمانی اور بدزبانی جیسے افعال سے بچنے کی تلقین کی گئی ہے۔ آج کے دور میں یہ ایک المیہ ہے کہ ہم پڑھے لکھے آزاد نہ معاشرے میں سانس لینے کے باوجود پرانے نظریات کے شکنجے سے نہیں نکل رہے۔ عورت اگر گھر سے باہر نکلے یا اپنے آہ کو سنوارنے یا اپنی پسند کی خاطر بال کٹوالے تو اسے ماڈرن کا نام دے کر مذہب سے لاعلم تصور کیا جاتا ہے۔

معاشرے کا ہر وہ شخص جو داڑھی رکھ لے اسے نیک صفت خیال کیا جاتا ہے، داڑھی رکھنے والا ہر شخص مولوی کہلاتا ہے۔ اسے ہمارے معاشرے میں پرہیز گار اور اللہ والا خیال کر لیا جاتا ہے، جب کہ ظاہر اور باطن کا علم تو صرف اللہ کی ذات کو ہے۔ کسی انسان کی ظاہری خدوخال پر فتویٰ جاری کر لینا ایک گناہ ہے۔ ہر انسان اپنے اعمال وافعال کا خود ذمہ دار ہے۔ کشور ناہید کے اس واقعے میں کٹے ہوئے بالوں کا بیان کرنا ایک غیر لسانی فعل ہے جس کا زبان کے لسانی مطالعے سے کوئی تعلق نہیں بہر حال یہ غیر لسانی فعل کشور ناہید اور مولوی صاحب کے درمیان ہونے والی گفتگو کو عملی جامہ پہنانے کا کام کرتا ہے، معاشرے میں اس طرح کے کئی واقعات کا سامنا ایک ماڈرن اور ملازم پیشہ خاتون کو آئے دن رہتا ہے۔

> میں اور احمد فراز لاہور آئے۔ ریڈیو کے ڈائریکٹر کا فون آیا۔ "آؤ ہمارے ساتھ کافی پیو" ہم دونوں رکشہ میں بیٹھ کر الفلاح سے ریڈیو اسٹیشن پہنچے۔ [۴۴]

> انھوں نے سفر خرچ کا بل بنا کر دیا۔ ٹرین کا ٹکٹ + ٹانگہ کا کرایہ + پاندان کا خرچ + طعام و دیگر لوازمات۔ [۴۵]

مندرجہ بالا ایسے واقعات نظر آتے ہیں جن میں غیر لسانی عوامل پائے جاتے ہیں اور یہ غیر لسانی عوامل کشور کے جملوں کو معانی پہنانے میں اہم کردار ادا کرتے ہیں۔ اول کشور ناہید ا اور احمد فراز کو ریڈیو ڈائریکٹر کا فون آنا اور کافی ساتھ پینے پر مدعو کرنا اور دونوں مصنفین کا رکشہ بطور سواری استعمال کرنا غیر لسانیاتی فعل ہے۔ کشور ناہید اور احمد فراز کی نوکری کی بحالی پر ریڈیو ڈائریکٹر کا مدعو کرنا ان کی خوشی کا اظہار اور مفاہمت قائم کرنے کا ایک رستہ ہے۔

دوم کوثر نیازی کی کتاب کی تصحیح جوش صاحب نے کی اور جوش صاحب کی مہمان نوازی بڑے شان دار طریقے سے کی گئی۔ جوش کے سفر کا خرچ، ٹرین کا ٹکٹ، پاندان کا خرچ ا، ٹانگے کا کرایہ اور رہائش پری کونٹی نینٹل میں یہ سب کوثر نیازی صاحب نے حکومت کے خرچے سے کیے اپنے ذاتی مقاصد کی تکمیل کے لیے کوثر نیازی نے سارے اخراجات نیشنل سنٹر کے کھاتے پورے کیے۔ یہاں ہر شخص سرکاری ملازمت میں اچھے عہدے پر ہو تو اپنے عہدے کا استعمال اپنی منشاء کے مطابق کرتا ہے۔

> ہماری وزارت میں مسعود الرؤف ایڈیشنل سیکرٹری تھے۔ ایک دن ہمارے دفتر آئے بار بار مڑ مڑ کر پشت پہ لگی چغتائی صاحب کی پینٹنگ کو دیکھ رہے تھے۔ [۴۶]

کشور ناہید کے ساتھ کام کرنے والے ایک ساتھی مسعود الرؤف ایڈیشنل سیکرٹری کے رعہدے پر فائز تھے ،کشور ناہید کے دفتر میں چغتائی صاحب کی پینٹنگ کو دیکھ کر بار بار بے چینی اور تعجب کا شکار تھے ایک پینٹنگ کا دو مختلف جگہوں پر ہونا ان کے لیے بے چینی کا باعث تھا کشور ناہید ان کے چہرے کے تاثرات اور بے چینی سے بھانپ گئی کہ وہ اس پینٹنگ کی نقل دیکھ کر پریشان ہیں اور ان کی پریشانی کو فورا دور کر دیا چغتائی صاحب کی اور چغتائی صاحب کو یہ پینٹنگ اصل پینٹنگ کی نقل ہے، بعض اوقات چہرے کے تاثرات اور حرکات سکنات سے دوسرے شخص پہلے شخص کی کیفیت کا اندازہ با آسانی لگا سکتا ہے۔

> بھٹو صاحب نے گورنر ہاوس میں نمائندہ خواتین کو بلایا، کہامیں آپ لوگوں کا وفد دنیا کے دورے پر بھیجنا چاہتا ہوں۔ آپ لوگ وہاں جتنا رونا ہے، خوب روئیں۔ کوئی خاتون میک اپ نہیں کرے گی۔ [۷۷]

سقوط مشرقی پاکستان کے موقع پر بھٹو نے عورتوں کے ایک وفد کو دنیا کے دورے پر روانگی کی تلقین کی جہاں انھیں خوب رونے دھونے اور میک اپ سے باز رہنے کا کہا گیا، کچھ خواتین نیشنل سنٹر کے آفس آتیں اور رو پیٹ کر واپس چلی جاتیں۔ عورت ایک حساس دل کی مالک ہوتی ہے اور بہت سے نازک معاملات میں بہت جلدی دل ہار بیٹھتی ہے عورتوں کا رونا دھونا ان کے جذباتی پہلو کو ظاہر کرتا ہے، خواتین کا سجنے سنورنے کے لیے میک اپ کرنا بھی ان کی اپنی ذاتی پسند کا عکاس ہے مگر معاشرے میں میک اپ کو خواتین کے لیے لازمی جزو قرار دیا گیا ہے۔

> آپ پر اختر شیرانی نظمیں لکھا کرتے تھے، کوئی تصویر یا تحریر آپ کے پاس ہو تو دیں۔" انہوں نے بڑھاپے میں شرما کر کہا۔ "چل ہٹ میرا کیا واسطہ۔ [۷۸]

کشور ناہید بیگم سلمیٰ تصدق حسین کے چہرے کے تاثرات کا اظہار کرتی ہیں جنہیں وہ اپنی لفظوں کی آڑ میں چھپانے سے ناکام رہتی ہیں۔ کشور ناہید جب ان سے اختر شیرانی پر لکھی نظمیں اور یا کسی تصویر کا تذکرہ کرتی ہیں تو وہ بوڑھاپے میں بھی شرما کر "چل ہٹ "کا جواب دیتی ہیں۔ کشور ناہید فوراان کے چہرے کے تاثرات کو بھانپ لیتی ہیں۔ انسانی چہرے کے اتار چڑھاؤ، ہاتھوں ٹانگوں کی حرکات اور بعض اوقات الفاظ بھی اس کی ذہنی اور دلی کیفیت کو بیان کرتے ہیں۔ یہ تمام عوامل ایسے جن کا زبان کے لسان سے تعلق نہیں مگر یہ قاری کے لیے کسی کی کیفیت کو سمجھنے اور گفتگو کے معانی تک رسائی حاصل کرنے میں مدد دیتے ہیں۔ اس کے علاوہ یہاں عورتوں کی نفسیات کی عکاسی بھی ہوتی ہے کہ عورت فطر تاشرمیلی ہوتی ہے۔

ایک دفعہ ایک شاعر کوہاٹ سے آئے۔ گھی کا کنستر، گڑ کی بوری اور طرح طرح کے پھل لیے
ہوئے تھے۔[79]

کشور ناہید نے ایک شاعر حضرات کا احوال بیان کیا ہے جن کا تعلق کوہاٹ سے تھا، یہ شاعر سنسر شپ کے دوران اپنی غزلوں کی اشاعت نہ ہونے کے باعث سخت رنجیدہ تھے۔ وہ اپنے ساتھ گھی کا کنستر، گڑ کی بوری اور پھل بطور تحفہ اس لیے لائے تھے کہ ان کی غزلوں کو شائع کیا جائے۔ ان حضرات کی انکھوں میں گاڑھا سرمہ لگا تھا جس سے دیکھ کر دیہاتی ہونے کا گمان ہوتا ہے۔ دیہاتی لوگ اپنی ظاہری خدوخال سے بھی سادگی کا اعلیٰ نمونہ ہوتے ہیں ۔ وہ انتہائی سادہ اور زندہ دل ہوتے ہیں۔ ان کی معصومیت ان کے چہرے سے عیاں ہوتی ہے۔ کوہاٹ سے آنے والے شاعر حضرات کا حلیہ بھی کچھ ایسا تھا اور اپنے ساتھ لانے والا سامان ان کی سادگی اور جذبے کا عکاس ہے۔

ضیاء
الحق نے سائیکل پہ دفتر جانے کے آرڈر کیے اور خود سائیکل پر دفتر گیا۔ اگلے دن سب افسروں
نے سائیکل چلانا سیکھنا شروع کر دیا۔[80]

صدر جنرل ضیاء الحق کے سائیکل پر دفتر آنے جانے کے آڈر جاری کیے اور خود بھی جنرل ضیاء الحق سائیکل پر دفتر جاتے تھے۔ اگلے دن سے سب دفاتر میں سائیکل چلانے کی ٹریننگ شروع ہو گئی یہ وہ دور تھا جب اسلام آباد اور پنڈی کی سڑکوں پر ہجوم نے جنرل ضیاء الحق کو سائیکل پر دفتر آتے جاتے دیکھا اس غیر لسانی واقعے کا ذکر کرنا اس بات کی نشاندہی کرتا ہے کہ پاکستان کی تاریخ میں ایک ایسا سیاست دان گذرا جس کو سادگی کا شوق پیدا ہو گیا تھا اور تمام سرکاری دفاتر میں بھی اسی سادگی کو اپنانے کے احکام جاری کیے۔ مگر یہ تبدیلی زیادہ عرصے تک قائم نہ رہ سکی۔

وزیر صاحب نے میری جانب ہاتھ بڑھاتے ہوئے کہا۔ فاصلہ کیسے کم ہو جب تم ہی نہ چاہو۔[81]

ایک وزیر نے کشور ناہید کے لیے فاصلہ کم کرنے کے ہاتھ بڑھایا اور کشور ناہید کا ردعمل کے طور پر غصے ست باہر نکل آنا یہ سب کشور ناہید کے تاثرات کو ظاہر کرتا ہے۔ وزیر صاحب کا ہاتھ آگے بڑھانا اور کشور ناہید کا ردعمل کے طور پر باہر آنا یہ دونوں غیر لسانی عوامل ہیں جو کشور ناہید کی غصے کی نوعیت اور شدت کی بھرپور عکاسی کر رہے ہیں۔ جنہیں تحریری طور پر اس طرح بیان کیا گیا ہے، وزیر صاحب کا اگلے دن کشور کو نوکری سے بے دخل کر دینا بھی ان کے غصے کے اظہار کا ذریعہ ہے۔ یہاں یہ واقعہ اس بات کی طرف اشارہ کرتا ہے کہ ملازمت پیشہ خواتین کو اپنے باس کی طرف سے کس قسم کے حالات کا سامنا کرنا پڑ سکتا ہے اور ان حضرات کو نڈر ہو کر جواب دینے کے صورت میں کن مسائل کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔

ضیاء الحق کے مارشل لاء ابتدائی زمانے میں ہی میٹنگ میں یہ مسئلہ زیر بحث آیا کہ نور جہاں کو گاتے وقت پورے بازو کا بلاوز پہننے کی ہدایت کی جائے کہ آدھے بازو کی بھی اجازت ہو سکتی ہے۔ جب مسئلہ عابدہ پروین کا آیا اور پوچھا گیا کہ وہ تو چادر بھی اتار پھینکتی ہے۔ [۸۲]

ضیاء الحق نے قائد اعظم کی پینٹنگ سوٹ میں ملبوس دیکھی تو غصے میں آ گئے۔ حکم دیا یہ پینٹنگ ہٹا دی جائے یا پھر اس پینٹنگ کو شیروانی پہنا دی جائے۔ [۸۳]

مندرجہ بالا مثال میں کشور ناہید نے ایک اور غیر لسانی سرگرمی کا تذکرہ کیا جو میڈم نور جہاں اور عابدہ پروین کے لباس کا تھا۔ مارشل لاء کے دوران یہ احکامات جاری کیے گئے تھے کہ دفتر میں کام کرنے والی خاتون ہو یا ٹی وی پر کام کرنے والی کوئی اداکارہ سب کے لیے دوپٹہ لازم ہو گا۔ مگر یہاں مسئلہ میڈیم نور جہاں کے سلیو لیس بلاوز کا تھا۔ میڈم نور جہاں جنرل ضیاء الحق کو پسند تھیں اس لیے وہ آدھے آستین والا بلاؤز بھی پہن کر بھی گا سکتی ہیں۔ عابدہ پروین ایک درویش صفت خاتون تھیں لہذا ان کے لیے ایسی کسی قسم کی پابندی نہ لگائی گئی مگر دفاتر میں کام کرنے والی خواتین کے لیے دوپٹہ اوڑھنا لازمی تھا۔ گلوکارہ میڈم نور جہاں جنرل ضیاء الحق کو پسند تھیں لہذا ان پر اصولوں کی پابندی لازم نہیں۔ ان تمام باتوں کا مقاصد کشور ناہید کے زمانہ ملازمت کو سمجھنے میں مدد دیناہے۔ بینظر بھٹو کے دور حکومت میں اسلم اظہر کو ایم ڈی کی کرسی ملی۔ تھوڑی سی آزادی پا کر انھوں نے نازیہ حسن اور زوہیب حسن کا گانا لگا دیا جس پر اتنا شور مچا کہ اسلم اظہر کو استعفیٰ دینا پڑ گیا۔ یہ تمام حالات جنرل ضیاء الحق، بنیظر بھٹو کے نازک دور کو سمجھنے میں اہم کردار ادا کرتے ہیں۔

جنرل ضیاء الحق نے قومی اسمبلی ہال میں قائد اعظم کی پینٹ کوٹ میں ملبوس تصویر کو دیکھ کر طیش میں آ گئے اور فوراً اس تصویر کی جگہ قائد اعظم کی شیروانی میں ملبوس تصویر کو لگانے کا حکم دیا۔ ایک تصویر کو دیکھ کر اس پر غصے کا اظہار کرنا اور ہال میں موجود قائد کی تصویر کا لسانیاتی اعتبار سے کوئی واسطہ نہیں ہے مگر غیر لسانیاتی طور پر یہ معانی تک رسائی میں مدد دیتا ہے۔ جنرل ضیاء الحق نے اقتدار سنبھالتے ہی ملک میں تیسرا بڑا مارشل لاء نافذ کر دیا۔ ضیاء الحق کو اسلامی ریاست کا نمائندہ کہا گیا۔ انھوں نے ملک کو مکمل طور پر مذہبی ریاست بنانے کی عملی کوشش کی جس کی وجہ انھوں نے مغربی تقلید اور ان کے لباس کا استعمال ترک کر دیا گیا۔

بھٹو صاحب صدر نکسن کی طرح لباس اور خاص طور پر جوتوں کے معاملے میں بہت محتاط بلکہ نازک مزاج تھا۔ [۸۴]

کشور ناہید نے بھٹو صاحب کا لباس اور جوتوں پر محتاط اندازی کا ذکر ملتا ہے کہ صدر بھٹو جب بھی لاہور کے دورے پر ہوتے تو قطار میں موجود تمام افسران جنہوں نے کالے کے جوتے پہنے ہوتے انھیں قطار سے ہٹا دیا جاتا اور

شام کے وقت ہونے والی تقریبات میں جن حضرات نے کالے رنگ کے جوتے نہ پہنے ہوتے انھیں دعوت میں شامل نہ ہونے دیا جاتا، جوتوں اور لباس کے معاملے میں بھٹو صاحب کی یہ محتاطی ان کی زندگی کے نظم وضبط کو ظاہر کرنے کے ساتھ ساتھ ان کی مزاج کا ایک خاص رخ دیکھاتی ہے۔

آپ بیتی میں اس طرح کے واقعات کا بیان غیر لسانی سرگرمی سے تعلق رکھتا ہے۔

بھٹو صاحب کی طرح صدر نکسن بھی جوتوں اور لباس کے معاملے میں بہت نازک مزاج تھا۔ صدر نکسن کے لباس میں محتاط اندازی کی مثال کشور ناہید کا بیان کیا جانے والا واقعہ ہے، جس میں صدر نکسن نے ایک شخص کو ڈنر پر نیلی قمیض پہنے دیکھ کر اعتراض کیا تھا کہ ان صاحب کو یہ معلوم نہیں کہ ڈنر پر سفید قمیض پہنی جاتی ہے۔ یعنی صدر نکسن ڈنر کے دعوتوں پر سفید سوٹ پہنے کو پسند کرتے ہیں، سفید رنگ امن وشانتی کا استعارہ ہے۔ کسی بڑی شخصیت کی لباس میں محتاط اندازی ان کی شخصیت، پسند اور مزاج کی عکاسی کرتی ہے، جیسا کہ بھٹو اور نکسن کی شخصیت واضح ہوتی ہے۔ لباس کسی بھی انسان کا آئینہ دار ہوتا ہے۔

> کسی دن انہوں نے ٹی وی پر کوئی ڈرامہ دیکھ لیا۔ بس غضب ہو گیا۔ فوراً حکم صادر ہوا کہ ساری
> فنکار خواتین کے سر پر دوپٹہ ہونا چاہیے۔[۸۵]

مصنفہ نے نواز شریف کے دور حکومت میں جاری کیے جانے والے احکامات کا ذکر کیا جہاں ٹی وی پر کام کرنے والی خواتین کو دوپٹہ اوڑھنے کی تلقین کی گئی، اس حکم کے جاری ہوتے ہی تمام فنکار خواتین کو ڈوپٹہ اوڑھا دیا گیا، ٹی وی پر دیکھائے جانے والی خاتون ہو چاہیے وہ بستر پر ہو یا تالاب سے نکلتی ہوئی سب کے سر پر دوپٹہ اوڑھا دیا گیا ۔ صدر صاحب کا تمام خواتین کو ڈوپٹہ اوڑھنے کے احکامات جاری کرنا ایک غیر لسانی فعل ہے جس کا ذکر اس آپ بیتی میں ملتا ہے۔

> سامنے سے علامہ مشرقی بیلچہ اٹھائے جلوس کی قیادت کرتے چلے آرہے تھے۔ ظہیر صاحب نے
> پوچھا۔ "کہاں تک جائیں گے؟[۸۶]

علامہ مشرقی صاحب کا ذکر ملتا ہے۔ علامہ مشرقی صاحب کشور ناہید کے ساتھیوں میں سے ایک تھے۔ جب نہر سوئیز پر قبضہ ہوا جنرل ناصر نے کالج کے طلبہ طالبات کے جلوس نکالے تھے ایسے کشور ناہید علامہ مشرقی صاحب کا جلوس نکلنے کا انداز بیان کرتے ہوئے لکھتی ہیں کہ مشرقی صاحب نے جلوس بیلچہ لے کر نکالا اور ظہیر کاشمیری کے سوال کرنے پر انھیں بتایا گیا کہ ہم مصر کو جائیں گیں، بیلچہ ایک ایسا ہتھیار ہے جسے گورکن قبریں کھودنے کے لیے استعمال کرتا ہے۔ اس کے علاوہ بیلچہ مزدروں کی محنت کا عکاس بھی ہے۔ اس واقعے میں جس نہر سوئیز کا ذکر ہوا ہے وہ

نہر مصر میں واقع ہے۔ اس نہر کی کھدائی کے وقت کئی مزدوروں نے اپنی جانوں کا نظرانہ پیش کر دیا تھا۔ اس نہر پر ۱۹۵۶ء میں اسرائیل نے اس نہر پر اپنا ناحق قبضہ جمالیا تھا۔

> پوری فلم میں قتل ہی قتل تھے۔ ہم نے بین کر دی۔ ابھی سیڑھیاں اتر رہے تھے کہ ہم سب کی سانسیں رک گئیں۔ وہ سارے لوگ وہی فلم والے کپڑے پہنے کلاشنکوف اٹھائے کھڑے تھے۔ [۸۷]

مصنفہ ایک فلم بنانے والے کی جذباتیت کا اظہار کرتی ہیں۔ ایک شخص نے اپنے بیٹے کے قتل پر ایک فلم بنائی جس میں ہر طرف قتل سے متعلقہ سین تھے، کشور ناہید اور ان کے دیگر ساتھیوں نے اس فلم کو بین کر دیا اس فلم کے بین ہوتے ہی فلم میں موجود تمام فنکار ہاتھ میں کلاشنکوف اٹھائے کھڑے تھے، یہاں کشور اس واقعے کی بیان سے ایک باپ کی کیفیت کو بیان کرتی ہیں جس نے اپنے بیٹے کے قتل کا صدمہ جھیلا ہے۔ ایک باپ کا اس طرح کا عمل اس کے اپنے بیٹے سے محبت اور جذباتی پن کی شناخت ہے، تمام فنکاروں کا فلم والے کپڑے پہننا، اور کلاشنکوف ہتھیار اٹھائے کھڑے ہونا دونوں غیر لسانی فعل ہیں۔ یہ پوری منظر نگاری فلم بنانے والوں کی نفسیات کی نمائندگی کرتی ہے۔ وہ فلم کے بین ہونے پر کشور ناہید اور ان کی پوری ٹیم کو حراساں کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ اس واقعے میں ذکر کیے جانے والے ہتھیار کلاشنکوف خوف اور ڈر پیدا کرنے کا ذریعہ ہے۔

> کھانا پکانے میں بھی شاعری کی طرح نت نئے تجربات اور موضوعات سامنے لائے جائیں تو لطف اور ہوتا ہے۔ تنور میں بیسن کی اور روغنی روٹی تو لگائی جاتی ہے۔ مگر جب بادام کی روٹی، اسی طرح اخروٹ، کاجو، پستہ، میتھی اور بھتوے کے ساگ کی روٹیاں بنائی جائیں۔ [۸۸]

کشور ناہید نے کچھ پکوانوں کا ذکر کیا ہے اپنی آپ بیتی میں کھانے پینے کے حوالے سے کیے جانے والے تذکرے اس بات کا پتہ دیتے ہیں کہ کشور ناہید نہ صرف شاعری میں بلکہ کھانے پکانے کے معاملات میں بھی نت نئے تجربات کرنے کی شوقین تھیں۔ وہ کھانے اور پکانے دونوں کی شوقین تھیں اور اپنے دوست احباب کو بلا کر ان کی دعوتوں میں اپنے ہاتھ سے بنائے پکوان پیش کرتیں۔ وہ لاہور کے پھجے کے پائے، چنے پھٹورے، گوالمنڈی کی مچھلی، بسنت میں قیمے والے نان، تھال بھر گجریلا، گوجرانوالہ کے تکے کباب اور دالیں خوب زوق و شوق سے پسند کرتیں تھیں، اس کے علاوہ دیہی علاقوں تنور بیسن کی روٹی روغنی روٹی کا بھی ذکر کرتی ہیں۔ کشور ناہید کا اپنی آپ بیتی میں کھانوں کی طرح طرح ڈشز کا تذکرہ غیر لسانی فعل ہے مگر اس فعل کے بیان سے ہم کشور ناہید کی ذاتی زندگی کو سمجھ سکتے ہیں۔ ان واقعات کا بیان ان کی یاداشت کی معنویت میں اضافہ کرتے ہیں،

کشور ناہید نے عید کے اہم تہوار کے موقع پر لاہور سے بچوں کے لیے سلیم شاہی کھسے خریدنے کا ذکر کیا۔ عید کے موقع پر بچوں کے لیے سلیم شاہی کھسے خریدنا ان کے ایک لطف اندوز مرحلہ تھا۔ کشور ناہید ایک ورکنگ ویمن ہونے کے ساتھ ساتھ ہر بچوں کے ساتھ وقت گزارنے والی ان کی خریداری کرنے والی اور اپنے بچوں کے ساتھ مل جل کر کام کرنے والی ایک اچھی ماں بھی تھیں۔ کشور ناہید زندگی کے ہر لمحے کو کھل کر جینے والی خاتون کے طور پر سامنے آئیں، سلیم شاہی کھسوں کی خریداری کا ذکر غیر لسانی عمل ہے۔"عید کے دنوں میں خاص کر چاند رات کو بچوں کے لیے سلیم شاہی کھسے خریدنے کا لطف بھی آیا۔[۸۹]

جب انہوں نے دیکھا کہ ہ توجہ نہیں دے رہے تو وہ خود ہی کھڑی ہو گئیں اور باہر کی طرف جانے لگیں۔ناہید نے یہ دیکھا تو ڈانس روک کر واپس جانے لگیں۔[۹۰]

بے نظیر بھٹو کی فنون لطیفہ میں دلچسپی کے باعث، مسز کلنٹن کے پاکستان دورے پر ان کے لیے ناہید صدیقی کے ڈانس کا اہتمام کروایا گیا، ڈانس کے درمیان میں بے نظیر بھٹو کے اٹھ کر جانے کا ذکر ملتا ہے، بنیظر بھٹو کا محفل کے بیچ سے اٹھ کر جانا ان کی ذہنی فکر کی عکاسی کر رہا ہے، ناہید کا ڈانس روک کر جانے پر مسز کلنٹن اور ان کی بیٹی کا ناہید صدیقی سے ہاتھ ملانا اور ناہید صدیقی کی آنکھوں سے دکھ کے باعث موٹے موٹے آنسو کو کشور ناہید کا صاف کرنا یہ تمام غیر لسانی فعل ہیں۔ بے نظیر بھٹو کا محفل کے دوران اٹھ کر باہر جانا رقص کارہ کی توہین کا باعث بنا اور ایک غیر ملکی خاتون کا ناہید صدیقی سے ہاتھ ملانا اس کے لیے باعث عزت اور اس کی حوصلہ افزائی کا سبب بنا۔

مام سکر ٹریز اور وزیروں کی بیگمات اپنے ڈائمنڈ سیٹ پہن کے باقاعدگی سے تشریف لاتی تھیں۔ اس سے پہلے یعنی جب لغاری صاحب وزیر تھے، تو یہ بیگم صاحب کافی پارٹی تھیں اور ڈیرہ غازی خان کے شیڈ وورک کے دوپٹے اور سوٹ فروخت کیا کرتی تھیں۔[۹۱]

ضیاء الحق کے دور حکومت میں بیگم لغاری وزیر اعظم ہاوس میں درس قرآن کرواتیں۔ جس مین شریک تمام بیگمات اپنے ڈائمنڈ کے قیمتی سیٹ پہن کر آتیں۔ درس قرآن کی تقریبات میں بیگمات کا ڈائمنڈ سیٹ پہن کر آنا بلاشبہ ڈائمنڈ ایک بیش بہا مہنگی اور قمیتی دھات ہے۔ ان بیگمات کا ڈائمنڈ سیٹ پہننا اپنی دولت اور جائیدادوں کی نمائش ہے ۔اسی طرح بیگم لغاری کا پارٹیز کر کے ڈیرہ غازی خان کے سوٹ اور شیڈ ورک کے دوپٹے مہنگے داموں فروخت کرنا بھی دولت اپنی شوہر کی دولت میں اضافہ کرنا ہے، بیگمات کا ڈائمنڈ سیٹ پہننا اور شیڈ ورک کے دوپٹے اور سوٹ بیچنا غیر لسانی فعل ہیں۔

شام سے پہلے مجھے بلاڑیو پہنچنا تھا کہ آج ہماری رخصتی کا استقبالیہ تھا سب لوگ اپنے روایتی لباس میں تھے۔ میں نے کرتہ تنگ پاجامہ پہنا ہوا تھا۔[۹۲]

کشور ناہید اپنے ایک غیر ملکی دورے کا ذکر کرتی ہیں۔ غیر ملکی دورہ بلاڑیو کا تھا جہاں کی رخصتی استقبالیہ کی تقریب میں تمام لوگ اپنے روایتی لباس میں موجود تھے اس استقبالیہ تقریب کے موقع پر کشور ناہید نے تنگ کرتہ اور پاجامہ پہننا تھا جسے کشور ناہید نے روایتی لباس کے طور پر پہننا تھا۔ کشور ناہید کا اس تقریب کے موقع پر پہنے والے لباس کا تذکرہ ایک غیر لسانی فعل ہے۔ لباس کسی ملک کے رسم ورواج اور ثقافت کا مظہر ہوتا ہے۔ کشور ناہید کا بلاڑیو تقریب میں اپنا روایتی لباس پہننا اپنے ملک کی ثقافت کو پیش کرنا ہے۔ ایک اور ملکی دورے اٹلی کا ذکر کشور نے اپنی آپ بیتی میں کیا ہے جہاں کشور ناہید کو لٹیروں کے حملوں سے بچنے کے لیے ٹراؤزر اور ٹاپ پہننے کی تلقین کی گئی۔ جہاں لوگوں نے انھیں سپینش اور کولمبین سمجھا۔ دو مختلف مقامات پر مختلف طرح کا لباس پہننا، یہ لباس ایک خاص جگہ اور وقت کی اہم ضرورت تھے۔ تنگ کرتہ، پاجامہ، ٹاپ، ٹراؤزر غیر لسانی فعل ہے۔

> سحر صاحب، حسب معمول چوڑی دار پاجامہ، کھسہ اور پگڑی پہنے ہوئے تھے۔ استاد دامن اپنے طریقے پر دھوتی پہنے اور سر پر ناڈالے ہوئے تھے۔[۹۳]

سحر صاحب اور استاد دامن کے حلیہ کا ذکر کرتی ہیں، جب سحر صاحب کشور ناہید سے ملنے ہسپتال آئے، سحر صاحب کھسہ، پگڑی، چوڑی دار پاجامہ پہنے ہوئے تھے جب کہ استاد دامن اپنے طریقے سے دھوتی اور سر پر مکمل پرنا رکھ کر ہسپتال آئے، پورے ہسپتال میں ان کو دیکھ کر سردار جی اور دھوتی بابا کو دیکھنے لگا۔ استاد دامن کا حلیہ سرداروں جیسا جب کہ سحر اپنے دیہی روایتی لباس میں تھے۔ دھوتی، پرنا ہمارے پنجاب کی روایت ہے جب کہ، پگڑی کے ساتھ چوڑی دار پاجامہ زیب تن کرنا سرداروں کی روایات مین شامل ہیں۔ سحر صاحب اور استاد دامن کے حلیے کی وضاحت غیر لسانی فعل ہے۔ ان دونوں حضرات کا لباس ہماری ثقافت کا رنگ پیش کرتی ہیں۔ سحر صاحب اور استاد دامن کا کشور ناہید کو ملنے آنا، اچھے تعلقات اور احساسات کا اظہار ہے۔

> ہم سب دوست دعا کر رہے تھے کہ خدا خیر کرے۔ اسی طرح کی حوصلہ مندی میں نے بے نظیر کی اس وقت دیکھی جب مرتضی کی باڈی لینے ننگے پاؤں ہسپتال پہنچی تھیں۔[۹۴]

مرتضی بھٹو کی موت کے وقت کشور ناہید بینظیر بھٹو کی حالت کچھ یوں بیان کرتی ہیں، وہ اپنے مرتضی بھٹو کی باڈی لینے ننگے پاؤں ہسپتال پہنچ گئیں ان کے بھائی مرتضی بھٹو کو ۱۹۹۶ء میں ان کے دور حکومت میں گولیاں مار کر بہت بے دردی سے قتل کیا گیا اور اپنے بھائی کی اس دردناک موت پر اٹھ ماہ کے حمل سے ہونے کے باوجود بہت صبر و ہمت کا مظاہرہ کر رہی تھیں۔ بینظیر بھٹو کا ننگے پاؤں ہسپتال جانے کا بیان غیر لسانی ہے۔ جو بنیظیر بھٹو کی اپنے بھائی سے محبت اور حوصلے اور برداشت کی داستان ہے۔ آپ نے ہمیشہ ہمت اور حوصلے سے ہر مشکل گھڑی کا سامنا کیا۔

> مگر وہ عیش کیوں بھول گئیں جو ضیاء الحق کے زمانے میں سی۔[۹۵]

جہاز میں ولیمے اور شادی کی دیگیں جایا کرتی تھیں، ہاں زرداری صاحب کے شاگرد بھی ہیلی کاپٹر پر نہاری منگوایا کرتے تھے۔[96]

اس آپ بیتی کے آخری صفحات میں کشور ناہید نے ان حکمرانوں کی منظر کشی کی ہے، جنہوں نے پاکستان کی دولت کا بے جا استعمال کیا۔ ضیاء الحق کے دور حکومت میں ولیمے اور شادی کی دیگیں جہاز ۱۳۰ میں جانا ایک غیر لسانی فعل ہے جو متن میں ضیاء کی بے جا فضول خرچیوں کی نشاندہی کرتا ہے۔ صدر زرداری کے دور حکومت میں شاگردوں کا ہیلی کاپٹر زپر نہاری منگوانا بھی غیر لسانی فعل ہے۔ جو صدر بھٹو کی عیش پرستیوں کی عکاسی کرتا ہے۔ اس کے علاوہ سیکرٹری اور وزیروں کے بیگمات کا لاکھوں کی خریداری کرنا۔ یہ سب اپنے ملک کو ناجائز طریقے سے لوٹ کر اپنی تجوریاں بھرنے کے مترادف ہے۔

پہلی بار جب دہلی گئی تو تاج ہوٹل میں کشوری امونکر کا گانا تھا، میں نے آؤ دیکھا نہ تاؤ دیکھا، سیدھی ہوٹل پہنچی، بہت مدہم روشنی میں سب لوگ فرش پر بیٹھے تھے۔ میں بھی ڈرتے ڈرتے شامل ہو گئی۔[97]

کشور ناہید کا ہندوستان جاکر کشوری امونکر کے گانے کی تقریب کے دوران جاکر خاموشی سے فرش پر بیٹھنا بھی غیر لسانی فعل ہے کشور اتنی خاموشی سے اس محفل موسیقی کا حصہ بن گئیں۔ محفل موسیقی کے دوران گانے کے اختتام پر کشور ناہید نے کشوری امونکر سے اپنا تعارف کروایا، کشوری انے خوش ہو کر کشور ناہید کا تعارف اپنی تمام ٹیم سے کروایا، جو کہ کشور ناہید کے لیے خوشی کا باعث تھا۔ کشوری امونکر نے کشور ناہید کو بے پناہ عزت بخشی اور اسی واسطے انھیں اپنے سامنے بیٹھنے کا کہا۔

اسی باب کے آخر میں خوشونت سنگ اور نادرہ (بیگم نیپال) کے ساتھ جہاز میں سفر کرنے کا اتفاق ہوا کشور ناہید بیان کرتی ہیں خوشونت سنگھ بیگم نیپال کے بہت عاشق ہوا کرتے تھے۔ جب سے نادرہ بیگم، بیگم نیپال ہوئی ہیں، خوشونت سنگ نوبل انعام یافتہ ہوگئے، جہاز میں سفر کے دوران کشور خوشون سنگ سے بار بار بات کرنے کی کوشش کرتیں اور بیگم نیپال کشور کو آنکھوں سے اشارے کرتیں، پھر خود ہی خوشونت سنگ سے باتیں شروع کیں۔ بیگم نیپال کا کشور کو آنکھوں کی حرکات وسکنات سے کچھ کہنے کو کوشش کرنا غیر لسانی سرگرمی ہے جو اس بات کا علم دیتی ہیں کہ بیگم نیپال خوشونت سنگ صاحب سے کچھ اگلوانا چاہتی ہیں۔

> برطانوی نمائندے نے ہمیں ملکہ سے ملنے کے آداب بتائے کہ کس طرح جھک کر سلام کرنا ہے۔بلکہ پریکٹس بھی کروائی، مگر جب ملکہ تشریف لائیں تو ملنے کی خوشی میں وہ سارے آداب بھول گئے۔[۹۸]

کشور ناہید نے ملکہ الزبتھ سے ہونے والی ایک سرسری سی ملاقات کا ذکر کیا ہے جو ان کے لیے بعد میں ایک یادگار ملاقات بن گئی اس ملاقات سے پہلے ایک نمائش کا اہتمام کیا گیا، ایک برطانوی نمائندے نے ہمیں ملنے کے آداب سیکھائے۔ جس میں ملکہ عالیہ کو جھک کر سلام پیش کرنے کی مشق تھی۔ مگر جیسے ملکہ الزبتھ کو دیکھا سارے آداب بھول کر خوشی سے ہاتھ آگے بڑھادیا، ان سے حال چال پوچھا، بہت دیر نرم گفتار لہجے میں ان سے گفتگو ہوتی رہی، ملکہ الزبتھ نے پاکستانی لباس کی تعریف بھی کی۔ برطانوی نمائندے کا آداب شاہی سیکھانا اور کشور ناہید کا جوش کے عالم میں ہاتھ آگے بڑھانا، غیر لسانی سرگرمیاں ہیں، جو ملکہ الزبتھ کی پاکستان دورے کی اہمیت، اور عزت واحترام کے لیے آداب شاہی سیکھانے کے لیے برطانوی نمائندے کو بلایا گیا۔ کشور ناہید کا جذبات کی رو میں بہہ کر ملکہ سے بے تکلف ہونا ان کی خوشی کے اظہار کا ذریعہ ہے۔

> یہ تھے ہمارے اور آپ کے ڈاکٹر عبد السلام۔ ان کو پاکستانی کہہ کر بلایا گیا، نوبل انعام دیا گیا، گر حکومت پاکستان نے تو ان کو تسلیم کیا نہ ملک میں آکر کوئی استقبالیہ دیا۔ قائداعظم یونی ورسٹی میں ایک تقریب کا انعقاد کیا گیا، مگر وہاں کیا ہوا۔ ڈاکٹر عبد السلام پر گندے انڈے اور ٹماٹر پھینکے گئے۔ ان کا قصور یہ تھا کہ وہ احمدی تھے۔[۹۹]

کشور ناہید نے ڈاکٹر عبد القدیر خان، جو پاکستان کی تاریخ میں نوبل یافتہ اور مخلص شخصیت تھی ان کے حلیے کا بیان کیا گیا جو نوبل انعام لینے پہنچے تو شلوار، کھسہ، شیروانی اور کلہ تھا جو ان کی سادگی اور عام شخصیت کو ظاہر کرتا ہے۔ اور کسی یونی ورسٹی میں ان کے لیے اعزازی تق کشور ناہید پاکستان کی نوبل انعام یافتہ شخصیت ڈاکٹر عبد السلام کا ذکر کرتے ہیں، ان کو نوبل انعام ملنے کی خوشی میں قائداعظم یونی ورسٹی اسلام آباد میں ایک اعزازی تقریب منعقد کی گئی۔ مگر اس یونی ورسٹی کے طلباء نے ڈاکٹر عبد السلام پر گندے انڈے پھینکے گندے انڈوں اور ٹماٹروں کا پھینکا طلباء کی بدفعلی کو بیان کرتا ہے۔ اس کے ساتھ ہی یونی ورسٹی کی انتظامیہ پر سوال اٹھاتا ہے۔

مذہب ہر شخص کا ذاتی مسئلہ ہے، کسی شخص کی توہین صرف اس لیے کرنا کہ وہ ہمارے مسلک سے نہیں۔ انسانیت کے اصولوں کے خلاف ہے۔ طلباء کا گندے انڈے اور ٹماٹر پھنیکا کشور ناہید کے بیانیے کی معنویت میں اضافہ کر رہے ہیں۔

پاکستان بننے کے بعد رقص کا وہ ماحول نہیں رہا۔ وہ اپنی بچت کے ذریعے گھر چلاتی رہیں۔ کسی
ہمدرد نے اپنے مکان کا ایک کمرہ انہیں کرائے پر دیا۔[۱۰۰]

کشور ناہید نے میڈیم آزروی کی شخصیت کا بیان کیا جو انگریزوں کے دور حکومت میں انڈین ڈانسر کے طور پر مشہور ہوئیں۔ ان کے رقص کے مداح بہت تھے مگر پاکستان بننے کے بعد رقص کا وہ ماحول نہ رہا، پاکستان کی ریاست اسلامی نظریاتی بنیادوں پر بنی۔ پاکستان کے بعد میڈیم آزروی کی حالت کو مصنفہ اس طرح بیان کرتیں ہیں کہ ان کے پاس رہنے کو چھت نہیں اپنی بچت سے وہ گھر کا خرچ چلاتی ہیں ایک دفعہ وہ ٹوٹا پھوٹا سوٹ کیس دفتر لے آئیں، جس میں بو اخباری ٹکڑے، پرانی کٹی پھٹی تصویریں اور ایک تصویر میڈیم آزروی کے مونو گراف کی تھی، سوٹ کیس، تصاویر، اخباری تراشے ان کی آج کے حالات کو سمجھنے میں دیتے ہیں جو شاید لسانی اعتبار سے اتنا اچھا ممکن نہ ہوتا۔

کشور ناہید اس تقریب کا ذکر کرتی ہیں جب افریقا کے صدر منڈیلا کو ۲۷ سال بعد قید سے رہائی ملی، کشور ناہید نے خوشی کا اظہار نیلسن منڈیلا کو ایک نظم بھیج کر کیا۔ کشور ناہید کا صدر کو نظم بھیجنا فرط جذبات کا بیان ہے جب کہ بدلے میں نیلسن منڈیلا نے کشور ناہید کو سوکھے پھولوں کا گلدستہ اور پینٹ شدہ شتر مرغ کا انڈا بھیجا جو اس ایک غیر لسانی فعل ہے، مگر یہ تحائف شکریہ کرنے کا ایک ذریعہ ہیں۔ یہاں خوشی کے جذبات کا اظہار کرنا اور صدر منڈیلا کا تحائف بھیجنا، متن کو معانی پہنانے میں اپنا کردار ادا کرتے ہیں۔

ہم سب لوگ کسی ملنے والے کے گھر ائیر پورٹ کے پاس بالکنی میں کھڑے رہے۔ ساری رات
دیگیں پکتی رہیں۔ اور عورتیں پیپلز پارٹی کے رنگوں کے دوپٹے رنگواتی رہیں۔[۱۰۱]

متذکرہ باب میں بے نظیر بھٹو کی لاہور آمد کی تیاریوں کی چند جھلکیوں کا بیان غیر لسانی صورت حال سے کیا گیا ہے۔ بے نظیر بھٹو کی پہلی بار آمد بار لاہور سے تعلق رکھنے والی پیپلز پارٹی کی تمام کارکنان خواتین پیپلز پارٹی کے جھنڈے کے رنگ کے دوپٹے رنگواتی اور رات بھر پکوان بناتی۔ خواتین کارکنان کا رات بھر پکوان تیار کرنا، پیپلز پارٹی کے رنگ کے دوپٹے رنگوانا ایک غیر لسانی فعل ہے۔ ان تمام غیر لسانی سرگرمیوں کی منظر کشی کشور ناہید کے بیانیے کی معنویت میں اضافہ کرتی ہے۔ اس تمام سرگرمی سے خواتین کارکنان کی بے نظیر بھٹو سے محبت اور رغبت کا پتہ دیتی ہے۔

کشور ناہید کی نوٹ بک "کا لسانی و غیر لسانی تجزیہ ان کے کلامیہ کی معنویت میں اضافہ کرتا ہے۔ واقعات کے بیان کی منظر نگاری، جملوں کا استعمال اور الفاظ کا استعمال ان کے زبان پر عبور رکھنے کا پتہ دیتے ہیں۔

حوالہ جات

۱۔ کشور ناہید، کشور ناہید کی نوٹ بک(اسلام آباد:سنگ میل پبلی کیشنز،۲۰۱۴ء)، ص۹۔

۲۔ ایضاً، ص۹۔

۳۔ ایضاً، ص۱۷۔

۴۔ ایضاً، ص۱۷۔

۵۔ ایضاً، ص۲۳۔

۶۔ ایضاً، ص۳۱۔

۷۔ ایضاً، ص۲۲۔

۸۔ ایضاً، ص۳۵۔

۹۔ ایضاً، ص۳۵۔

۱۰۔ Rekhtadicitionary.com، لوک ورثہ کے معانی، بتاریخ ۱۲اپریل ۲۰۲۱ء، بوقت ۱۱:۳۰

بجے۔

۱۱۔ کشور ناہید،کشور ناہید کی نوٹ بک،ص۳۶۔

۱۲۔ ایضاً،ص۵۰۔

۱۳۔ ایضاً،ص۶۴۔

۱۴۔ ایضاً،ص۶۴۔

۱۵۔ ایضاً،ص۴۵۔

۱۶۔ ایضاً،ص۶۶۔

۱۷۔ ایضاً،ص۴۶۔

۱۸۔ www.humsub.com، تنویر ملک "لفظ مراثی اور ہمارا سماج"،بتاریخ ۱۲اپریل ۲۰۲۱ء،بوقت ۱۲:۰۰بجے۔

۱۹۔ ایضاً،ص۳۶۔

۲۰۔ ایضاً،ص۶۴۔

۲۱۔ Ur.m.wikipedia.org،جان راک قبلر،بتاریخ ۱۳اپریل ۲۰۲۱ء،بوقت ۱۰:۰۰بجے۔

۲۲۔ کشور ناہید،کشور ناہید کی نوٹ بک،ص۶۷۔

۲۳۔ www.bbc.com،پومپائی آثار قدیمہ،بتاریخ ۲۰اپریل ۲۰۲۱ء،بوقت ۱۱:۳۰بجے۔

۲۴۔ کشور ناہید،کشور ناہید کی نوٹ بک،ص۲۴۔

۲۵۔ ایضاً،ص۲۵۔

۲۶۔ ایضاً،ص۳۵۔

۲۷۔ ایضاً،ص۳۴۔

۲۸۔ ایضاً،ص۴۰۔

۲۹۔ ایضاً،ص۲۱۔

۳۰۔ ایضاً،ص۲۳۔

۳۱۔ ایضاً،ص۲۵۔

۳۲۔ ایضاً،ص۴۵۔

۳۳۔ ایضاً،ص۴۵۔

۳۴۔ ایضاً، ص۴۶۔

۳۵۔ ایضاً، ص۱۹۔

۳۶۔ ایضاً، ص۴۲۔

۳۷۔ ایضاً، ص۴۶۔

۳۸۔ ایضاً، ص۵۳۔

۳۹۔ ایضاً، ص۶۷۔

۴۰۔ ایضاً، ص۸۳۔

۴۱۔ ایضاً، ص۸۳۔

۴۲۔ ایضاً، ص۷۶۔

۴۳۔ ایضاً، ص۷۶۔

۴۴۔ ایضاً، ص۳۴۔

۴۵۔ ایضاً، ص۳۹۔

۴۶۔ ایضاً، ص۴۲۔

۴۷۔ ایضاً، ص۲۷۔

۴۸۔ ایضاً، ص۳۷۔

۴۹۔ ایضاً، ص۴۱۔

۵۰۔ ایضاً، ص۴۷۔

۵۱۔ ایضاً، ص۷۲۔

۵۲۔ ایضاً، ص۵۵۔

۵۳۔ ایضاً، ص۶۴۔

۵۴۔ ایضاً، ص۳۲۔

۵۵۔ ایضاً، ص۲۶۔

۵۶۔ ایضاً، ص۲۴۔

۵۷۔ ایضاً، ص۲۱۔

۵۸۔ ایضاً، ص۴۲۔

۵۹۔ ایضاً، ص ۸۲۔

۶۰۔ ایضاً، ص ۳۶۔

۶۱۔ ایضاً، ص ۳۶۔

۶۲۔ ایضاً، ص ۳۶۔

۶۳۔ ایضاً، ص ۴۷۔

۶۴۔ ایضاً، ص ۶۷۔

۶۵۔ ایضاً، ص ۶۵۔

۶۶۔ ایضاً، ص ۹۔

۶۷۔ ایضاً، ص ۱۵۔

۶۸۔ ایضاً، ص ۳۱۔

۶۹۔ ایضاً، ص ۲۳۔

۷۰۔ ایضاً، ص ۷۹۔

۷۱۔ ایضاً، ص ۱۱۔

۷۲۔ ایضاً، ص ۱۴۔

۷۳۔ ایضاً، ص ۱۲۔

۷۴۔ ایضاً، ص ۱۸۔

۷۵۔ ایضاً، ص ۲۷۔

۷۶۔ ایضاً، ص ۲۷۔

۷۷۔ ایضاً، ص ۲۷۔

۷۸۔ ایضاً، ص ۲۹۔

۷۹۔ ایضاً، ص ۳۰۔

۸۰۔ ایضاً، ص ۳۱۔

۸۱۔ ایضاً، ص ۳۳۔

۸۲۔ ایضاً، ص ۲۶۔

۸۳۔ ایضاً، ص ۸۲۔

۸۴۔ ایضاً، ص ۳۸۔

۸۵۔ ایضاً، ص ۴۳۔

۸۶۔ ایضاً، ص ۴۸۔

۸۷۔ ایضاً، ص ۵۰۔

۸۸۔ ایضاً، ص ۵۰۔

۸۹۔ ایضاً، ص ۵۸۔

۹۰۔ ایضاً، ص ۵۷۔

۹۱۔ ایضاً، ص ۵۳۔

۹۲۔ ایضاً، ص ۵۵۔

۹۳۔ ایضاً، ص ۶۴۔

۹۴۔ ایضاً، ص ۶۹۔

۹۵۔ ایضاً، ص ۸۰۔

۹۶۔ ایضاً، ص ۹۲۔

۹۷۔ ایضاً، ص ۸۱۔

۹۸۔ ایضاً، ص ۸۵۔

۹۹۔ ایضاً، ص ۸۷۔

۱۰۰۔ ایضاً، ص ۸۸۔

۱۰۱۔ ایضاً، ص ۸۷۔

باب چہارم:

تجربی تنقیدی تجزیہ کلامیہ

ڈیبورا اشفرن (Deborah Schiffrin) کے دیئے گئے نمونے کے مطابق اس باب میں "کشور ناہید کی نوٹ بک" میں استعمال کی گئی۔ زبان اور اس سماجی سرگرمی کا تجزیہ کیا جائے گا کہ کشور ناہید نے اس کتاب میں کس قسم کا کلامیہ پیش کرنے کی کوشش کی ہے۔ اس کے علاوہ اس آپ بیتی کی متنی پیش کش کا دورانیہ، پس منظر کا مطالعہ اور کشور ناہید کن نظریات و افکار کی ترویج کرتی ہیں کا تجزیہ شامل ہے۔ زبان ایک سماجی مشق کا نام ہے اور یہ سماجی مشق کسی نہ کسی تناظر میں پیش کی جارہی ہوتی ہے۔ کسی تحریر کو لکھنے والے مصنف کی سوچ اور جس معاشرے میں اس تحریر کو لکھا گیا اس معاشرے کا تجزیہ، تحریر کو پڑھنے والا قاری کون ہے وہ کس طرح کے سماجی ماحول اور ثقافت سے تعلق رکھتا ہے۔ قاری کی ذہنی صلاحیت کیا ہے، ان تمام نکات کی نشاندہی کی گئی ہے۔

کشور ناہید کی اس آپ بیتی میں ان کی ذاتی، ادبی اور دفتری زندگی کے حالات و اقعات کا بیان ملتا ہے، ذاتی اور ادبی زندگی کا بیان بہت مختصر انداز میں ملتا ہے، یوسف کامران کے ساتھ بیتے ہوئے لمحات کا ذکر بھی بہت مختصر ہے۔ اس آپ بیتی کا تجزیہ کلامیہ الفاظ کا پس منظری مطالعہ اور جس ماحول میں وہ زبان استعمال کی گئی اور کس طرح کے واقعات پیش کیے گئے شامل ہیں۔ مصنفہ کا اس کتاب کو لکھنے کا مقصد نوجوان لڑکیوں اور ملازمت پیشہ خواتین کی حوصلہ افزائی ہے، جنہیں معاشرے میں نت نئے طریقوں سے خوف و ہراس کا نشانہ بنایا جاتا ہے، معاشرے کی تنقیدی اور توہین آمیز نگاہوں سے کس طرح نپٹا جاسکتا ہے۔ انہوں نے اپنے معاملات کو پیش کرکے خواتین کی ہمت بندھائی۔ اس کے ساتھ سیاسی سرگرمیوں اور تبدیل ہوتے ہوئے ماحول کے عوامل اور ان کے معاشرے میں اثرات کو بھی بیان کیا ہے۔

کشور ناہید اس معاشرے کی ایک دبنگ عورت ہے جس نے ساری عمر بہادری سے بسر کی، وہ ملازمت پیشہ خواتین کو یہ ترغیب دیتی ہیں کہ نوکری کرو چاکری نہیں بلکہ اپنی دفتری اور سرکاری ذمہ داریاں پوری ایمان داری اور لگن سے کرو مگر غلامی نہ کرو۔ پاک و ہند میں ایک نوجوان خاتون کا ملازمت کے دوران طرح طرح کے مسائل کا سامنا کرنا ایک سماجی مسئلہ ہے، جب سے عورت نے گھر کی چار دیواری سے باہر قدم رکھا اسے معاشرے میں لوگوں کے طعنوں کا سامنا رہا۔ بہت سی خواتین انہی کی طرح کے معاشرتی مسائل کی وجہ سے اپنے گھروں سے نکلنے سے گریز کرتی ہیں۔

اکثر لوگ مذہب کو اپنا ہتھیار بنا کر عورت کے بارے میں فتوے جاری کرتے نظر آتے ہیں۔ اگرچہ ہمارے دین نے بلاشبہ عورت کو پردے میں رہنے کا حکم دیا ہے لیکن جہاں عورتوں کو پردے کا حکم ہے وہی مردوں کے لیے نگاہیں نیچی کرنے کا حکم ہے۔ مردوں کو عورتوں کا محافظ بنایا گیا ہے مردوں کے لیے عورتوں کی عزت اور ان کے حقوق کا خیال رکھنا فرض قرار دیا گیا ہے، لیکن ہمارے معاشرے کا مرد عورت کی عزت تب ہی کرتا ہے جب وہ گھر

کی چار دیواری میں رہ کر اس کے تمام حقوق بجا لائے، گھر کے کام اور اس کے کام کاج اور کھانا پکانا کرے۔ ہمارے معاشرے میں مردوں کے شانہ بشانہ کام کرنے والی خواتین کو روز نئے طرح کے القابات سے پکارا جاتا ہے، جہاں بس نہ چلے وہاں اسے آوارہ اور بدچلن کہہ کر بھڑاس نکالی جاتی ہے۔ کشور ناہید نے اپنی اس مختصر سی آپ بیتی میں ملازمتی حال واحوال کے ساتھ سیاست اور ذاتی زندگی کے کچھ مسائل بھی پیش کیے ہیں۔

> ابھی بیسواں برس نہیں گزرا تھا کہ وہ جسے شب عروسی کہتے ہیں، آگئی، مگر کیسے! رات کے ڈھائی بجے سیڑھیوں پر بیٹھی سوچ رہی تھی، یوسف کی جیب میں بیس روپے ہیں، خالی کمرہ مجھے کیا دے گا۔[1]

کشور ناہید نے لفظ شب عروسی کا ذکر کیا ہے، یہ شب ہر عورت کے لیے ایک خاص اہمیت کی حامل ہوتی ہے۔ شب عروسی کا لفظ اور وقت دونوں ہی پاک وہند کی عورت ہو یا کوئی مغرب زدہ خاتون اس شب کی سوچوں اور سحر سے آزاد نہیں ہو سکتی۔ اس لفظ کا سحر ہی ایک عورت کو خوابوں کی سہانی وادی میں لے جاتا ہے۔ جس کا تصور ہمارے معاشرے کی ہر عورت کرتی ہے۔ مگر مصنفہ کی شادی جن حالات میں ہوئی تھی ان کی زندگی کی یہ خوبصورت رات مستقبل کی پریشانیوں کو سوچ کر گزر گئی۔

شادی ایک ذمہ داری کا نام ہے۔ مصنفہ کو اس بندھن میں تب باندھ دیا گیا جب وہ ذہنی طور پر ان تمام ذمہ داریوں کے لیے تیار نہیں تھیں۔ مصنفہ کی زندگی کا یہ سفر جن حالات میں شروع ہوا، نامکمل تعلیم، خالی جیب، خالی کمرہ جو چند تصاویری فریموں سے بھرا تھا جنہیں بعد میں بیچ کر گزارہ کیا گیا، دونوں خاندانوں کی ناراضگی معاشرے کے ایک اچھے بھلے فرد کو ذہنی مریض بنا دیتا ہے۔ ہمارے معاشرے میں متوسط اور نچلے درجے میں بالخصوص یہ بات دیکھنے میں آتی ہے کہ بچوں پر کم عمری میں شادی جیسی ذمہ داری ڈال دی جاتی ہے، جس کا بوجھ ساری عمر انھیں اٹھانا پڑتا ہے۔ کشور ناہید کا تعلق ایک ایسے ہی قدامت پسند گھرانے سے تھا جہاں بچیوں کا اپنے کزنز کے ساتھ بات کرنا بھی ممنوع تھا، کشور نے اپنی ضد کے باعث تعلیم جاری رکھی مگر دوران تعلیم کشور کی دوستی یوسف کامران سے ہوئی اور جب دونوں خاندانوں کو ان کی دوستی کا علم ہوا تو انھوں نے کشور اور یوسف کا نکاح کروا دیا۔ نکاح کے بعد کشور ناہید اور یوسف کو دونوں خاندانوں کی ناراضگی کا سامنا رہا اور اس کے ساتھ ہی ان کی مالی مشکلات کا دور شروع ہو گیا، جس سے کشور ناہید نے بہت صبر و تحمل اور برداشت سے گزارا۔

> یہ وہ زمانہ تھا کہ لکڑیوں پر کھانا پکتا تھا۔ سواری کے لیے ٹانگہ یا بس۔ دفتر سمن آباد میں تھا، وہاں سواری والا ٹانگہ نہیں جاتا تھا۔[2]

کشور ناہید نے اپنے پہلے باب میں اپنی ازدواجی زندگی کے ابتدائی حالات کا ذکر کر کے اپنے قاری کی توجہ ان معاشرتی مسائل کی طرف دلائی ہے مالی حالات اچھے نہ ہونے پر اور اپنوں کی ناراضگی پر کن مسائل سے دوچار ہونا پڑتا ہے۔ لکڑیوں پر کھانا پکانے کا ذکر، سواری کے لیے بس یا ٹانگے کا استعمال، ملازمت ملنے پر دفتری معاملات کے ساتھ ساتھ گھریلو معاملات، بچوں کی نگہداشت کے مسائل، ایک عورت کے لیے بہت کٹھن ہوتے ہیں مگر اس کے باوجود دفتر آتے جاتے لوگوں کے طعنے سننا ایک دل براشتہ کرنے والا فعل ہے۔ ان تمام حالات سے ڈر کر نوکری چھوڑ دینا اپنی زندگی میں اور مسائل کو جنم دینا تھا۔

کشور ناہید کی نوکری چوں کہ دیہی علاقوں میں پرچہ مرتب کرنے کی تھی۔ مہینے کی تنخواہ ۳۰۰روپے تھی۔ انہی تین سو روپے سے پورے گھر کا خرچ چلا کرتا تھا، اس باب کے اوائل میں بیان کیے جانے والے حالات کشور ناہید کی زندگی کا سخت ترین دور تھا، ترقی پذیر، پس ماندہ ملکوں کے لوگ ایسے ہی حالات سے دوچار ہو کر اپنی زندگی گزارتے ہیں۔ کشور ناہید کی زندگی کا بیان کیا جانے والا یہ پہلو ہمارے معاشرے کے نچلے طبقے کی زندگی کی عکاسی کرتا ہے اس کے ساتھ ساتھ ہمارے معاشرے کی ہر عورت کی کہانی ہے، خصوصی ان خواتین کی جن کی زندگی روزگار اور گھریلو معاملات کے دوران پھنس کر رہ جاتی ہے۔

> دیہاتوں میں پلنگ بچھے ہوتے۔ عورتیں مرد سب اکٹھے بیٹھ کر علاقے کے مسائل کے بارے میں بات چیت، کبھی یہ نہیں ہوتا تھا کہ عورتیں الگ چارپائی پر اور مرد الگ۔ آج بھی دیہاتوں میں جاتی ہوں مگر زمین آسمان کا فرق پڑ گیا۔ [۳]

متذکرہ باب میں کشور ناہید نے مرد وزن میں مساوات کا ذکر بھی کیا ہے جب وہ کسی دیہات میں پرچہ مرتب کرنے کی غرض سے گئیں، وہ بیان کرتیں ہیں کہ پہلے پہل دیہات میں مرد وزن ایک ہی چارپائی پر بیٹھ کر معمولات زندگی پر بحث مباحثہ کیا کرتے تھے، گپ شپ کرتے اور علاقے کے مسائل کے بارے میں بات چیت کرتے اور آج کے دیہی علاقوں میں مردان خانے اور زنان خانے الگ الگ بنا دیے گئے ہیں۔ یہ زمانہ انیسویں صدی کے اواخر کا تھا۔ یہاں دو تقسیم ہند سے پہلے اور بعد کے معاشرے کا تضاد نظر آتا ہے، جہاں ایک ہی گھر کے لوگ ایک ساتھ مل جل کر بیٹھا کرتے تھے۔ وہی اب ایک ہی گھر کے افراد میں مرد الگ اور عورتیں الگ چارپائی پر بیٹھا کرتی ہیں۔

آج کے دور کے معاشرے اور تقسیم ہند سے پہلے کے معاشرے میں بسنے والوں کی سوچ اور نظریات میں زمین آسمان کا فرق آ چکا ہے۔ عورتوں کو گھروں میں محدود کر دیا گیا ہے۔ کشور ناہید جب کسی دیہی علاقے میں جاتیں تو مردوں سے یونین کونسل جب کہ خواتین سے ملاقات کے لیے ان کے گھروں میں جانا پڑتا تھا، عورت کی تعظیم اس حد تک کی جاتی کہ والئی سوات اپنی نظریں تک نہ اٹھاتے اور مسلسل ایک ہی جملہ دہرایا کرتے کہ " آپ زنان خانے

چلی جائیں"۔[۴] پاکستان کے دیہی علاقوں میں اگر دیکھا جائے تو آج بھی دیہی علاقوں کی خواتین مردوں کے شانہ بشانہ کھیتوں میں کام کرتیں ہیں لیکن وہ خواتین اپنے بنیادی حقوق سے محروم ہیں۔

ان کی بے تکلفی کی نقل کرتے ہوئے دوسرے دوست بھی کبھی میرے کندھے پر ہاتھ رکھتے،
کبھی میری کمر میں ہاتھ ڈالتے اور مجھے کیا ملتا ساری رات کا مرثیہ۔[۵]

اس سے آگے کشور نے مردوں کی نفسیات کی عکاسی ایک محفل کے ذکر سے کی ہے جہاں صوفی صاحب کا تذکرہ کیا گیا ہے جو کہ کشور ناہید کے قریبی ساتھیوں میں سے ایک بزرگ ملازم ہے، جنہیں کشور ناہید اپنے باپ کا درجہ دیتی ہیں۔ مگر دوسرے مردوں کا کشور ناہید سے بے تکلف ہونا، ان کی کمر اور کندھوں پر ہاتھ رکھنا، ان سب عوامل پر یوسف کامران کی ناپسندیدگی کا اظہار ملتا ہے، ہم جس معاشرے میں رہتے ہیں یہ معاشرہ اسلامی تعلیمات کی پیروی کرنے کا قائل ہے۔ ہمارے دین میں بھی عورت کو مکمل طور پر خود کو نامحرم مردوں سے ڈھانپنے اور بے تکلفی سے اجتناب کی تاکید کی گئی ہے۔ ایک اسلام پسند معاشرے میں رہنے والا مرد اپنی زوجہ کی بے تکلفی برداشت نہیں کر سکتا۔ یہاں مرد کی نفسیات اور اس کی سوچ اپنے دین کے مطابق پختگی اختیار کرتی ہے۔ یہ ایک قانون ہے عورت چاہیے گھریلو ہو یا ملازمت پیشہ غیر مردوں سے بے تکلفی غیر اخلاقی فعل ہے۔

اسی طرح ایک ملازمت پیشہ خاتون جب باس کے کمرئے میں بلائی جاتی ہے تو بقعیہ مرد اسٹاف کا اسے طنز بھری مسکراہٹ سے دیکھنا، ایک عورت کے لیے ناپسندیدہ فعل ہے جس کا سامنا کشور ناہید کو کئی بار کرنا پڑا انھوں نے اپنی آپ بیتی میں اس بات کا ذکر بھی کیا ہے۔ وہ لکھتی ہیں جب بھی انھیں باس کے کمرے میں بلایا جاتا جاوید شاہین کے چہرے پر خشونت آمیز مسکراہٹ نمودار ہوتی۔ ہمارے آج کے معاشرے کی عورت بھی انہی قسم کے مسائل کا سامنا کرتی ہے، ایک دفتر میں کام کرنے والی خاتون چاہیے وہ جینز شرٹ میں ہو یا برقعے میں وہ دفاتر میں مرد سٹاف کی حقارت بھری نظروں کا سامنا ضرور کرتی ہیے۔ "میں جب باس کے کمرے میں بلائی جاتی، 'واپس آتی تو جاوید شاہین کے چہرے پر خوشنونت آمیز مسکراہٹ ہوتی۔"[۶]

۱۹۶۵ء سے لے کر اب تک کئی برس گزر جانے کے باوجود عورت کا مقام نہیں بدلا، کچھ تانیثی پسند فکر کے حامل مصنفین عورت کو اس کا جائز حق دلانے کے لیے کوشاں ہیں۔ ایک عورت سے زیادہ ایک مرد ہی دوسرے مرد کی نفسیات کو سمجھنے پر قادر ہے۔ کشور ناہید کا قاری اس معاشرے کا خاص وعام ہر فرد ہے۔ ایک تنگ نظر سوچ کا حامل بھی کشور ناہید کا قاری ہے اور ایک جدید سوچ اور ظرف رکھنے والا شخص بھی کشور کا قاری ہے۔ اس معاشرے کا ایک پڑھا لکھا فرد الگ طرح کی سوچ رکھتا ہے اور ان پڑھ آدمی الگ طرح کی، ایک عام فرد کی سوچ اور نظریات ایک

پڑھے لکھے فرد سے مختلف ہوتے ہیں، پاک وہند کے سماج میں مرد وزن میں توازن قائم کرنے کے دو رواییے سامنے آتے ہیں۔ ایک تانیثی فکر کا حامل گروہ اور دوسرا وہ گروہ جو اس نظریے کے خلاف ہے۔

کشور ناہید کی اس آپ بیتی میں مردوں کی نفسیات کی عکاسی کی گئی ہے، مرد شوہر کے روپ میں ہو تو اس کی سوچ اپنی زوجہ کے لیے الگ طرح کی ہوتی ہے اور دفتر میں کام کرنے والے مرد کی سوچ الگ طرح کی ہوتی ہیں۔ ایک مرد شوہر کے روپ میں اپنی بیوی کی عزت کا محافظ ہوتا ہے جب کہ وہ مرد جو دفاتر میں کام کرنے والے خواتین کو طنز اور تمسخر کا نشانہ بناتا نظر آتا ہے۔

کشور ناہید کا عہدہ بدلنے اور تیزی سے تبدیل ہوتے ہوئے سیاسی حالات واقعات پر بھی تبصرہ ملتا ہے۔ یہ ۱۹۶۵ء کی جنگ کا زمانہ تھا جب پاکستان ہندوستان کی لاہور کے واہگہ باڈر پر جنگ چھڑ گئی، کشور ناہید کا عہدہ حقوق نسواں کے لیے کام کرنا تھا۔ سرکار کی طرف سے کئی دیہی علاقوں میں صنعتی مراکز کے قیام کے لیے دیہات کا سروے ان کے ذمے تھا۔ جس کے دیہات کا تفصیلی جائزہ لینا ضروری تھا اور مقصد کے لیے انھیں جیپ دی گئی تھی، یہ وہ زمانہ تھا جب لاہور واہگہ باڈر کے جنگ کے آثار آس پاس کے دیہی علاقوں میں تھے اس جنگ نے پاکستان کی املاک کو بے حد نقصان پہنچایا۔ اس جنگ سے پھیلنے والی تباہی دیکھ کر دل خون کے آنسو روتا تھا۔

> ۱۹۶۵ء کی جنگ کے فوراً بعد، چونڈہ کے محاذ سے لے کر قصور، ہیڈ سلیمانکی اور بہاولپور کے سرحدی علاقے ایسے دیکھے کہ جب میں فوج کے سپاہیوں کے ساتھ سرحدوں پر پہنچی تو لکڑی اور گوشت کے جلنے کی بو ایک ہو رہی تھی۔[۷]

کشور ناہید نے ان تمام مناظر کو بیان کیا جس سے عام قاری پڑھ کر افسردہ ہو جاتا ہے۔ جب آپ فوج کے سپاہیوں کے ساتھ سرحدوں کے سروے پر گئیں تو اپنے گوشت اور لکڑی کی جلنے کی بو کی کیفیت بیان کی۔ جنگی ہتھیاروں سے جلنے والے انسان اور لکڑی کا جلنا ایک سا تھا۔ کسی ملک میں چھڑی جانے والی جنگوں کا سب سے زیادہ نقصان عوام اور سپاہیوں کا ہوتا ہے۔ ہمارے سپاہی اپنے ملک کی خاطر اپنی جانوں کا نظرانہ پیش کر دیتے ہیں۔ جنگلوں میں برسنے والی گولیوں اور بارود ایسے انسان کو جلا دیتی ہے جیسے لکڑی کو۔۔ اور یک عام شخص اس فرق کو کبھی نہیں سمجھ سکتا۔ اس پورے پیراگراف میں اس بات کا ڈسکورس پیش کیا گیا ہے کہ مصنفہ نے جنگی حالات میں انسانوں کو جلتے ہوئے دیکھا، دو دشمنوں کے درمیان جنگ کی صورت میں سپاہیوں کا جلنا، لوگوں کا بے گھر، عورتوں کا بے آبرو ہونا ایک عام سی بات ہو چکی ہے۔

اسی باب میں آگے چل کر دیکھا جائے تو مصنفہ کا عہدہ اب بدل چکا ہے وہ خط و خطابت سے اب سول سروسز میں شامل ہو چکی ہیں۔ اب ان کے لیے ایک ماں کے فرائض بھی سرانجام دینا اور روزگار کے معاملات کو ساتھ لے کر

چلنا ایک مشکل کام تھا، اس صفحے پر ایک ماں اور ملازمت کرنے والی خاتوں کی مشکلات نظر آتیں ہیں کس طرح ایک عورت اپنے گھر بار دونوں کو سنبھالتی ہیں۔ وہ ان حالات کا بیان کرتی ہیں جب ہفتے کے روز بھی انھیں دفتر جانا ہونا اور بچے گھر میں اکیلے رہتے۔ سارا دن اسی سوچ میں گزرتا کہ بچے کئی کسی مشکل میں تو نہیں۔ یہاں ایک ماں کی کیفیت کا بیان ملتا ہے جو اپنے بچوں کی طرف سے فکر مند رہتی ہیں۔ بچوں کو مصروف رکھنے کے لیے وہ ایک قاری کا انتظام کرتی ہیں۔ قاری سے ایک دن اسلام کی باتیں پوچھنے پر قاری صاحب کشور کے کٹے ہوئے بالوں کو دیکھ کر یہ جواب دیتے ہیں کہ آپ خود کیوں نہیں پڑھالتیں، ہمارے سماج کی ملازمت پیشہ عورت ان واقعات ک سامنا کرتی ہے جس کا سامنا کشور ناہید کو زمانہ ماضی میں رہا ہے۔ حصول رزق کی خاطر بچوں کو گھر پر اکیلا چھوڑ جانا یا کسی ملازم کو ان کی نگہداشت پر مامور کرنے پر ہماری ملازمت پیشہ مائیں مجبور ہیں۔ کشور ناہید کا سماج بھی وہی ہے جو کشور ناہید کے قاری کا ہے۔

> بچوں کو ہفتے کے دن سکول چھٹی ہوتی تھی۔ اس دن انھیں گھر پر اکیلا چھوڑ کر جاتی۔ دھڑ کا لگا رہتا کہیں کوئی خرابی نہ ہو جائے"
>
> "بچے ڈیڑھ بجے سکول سے واپس آجاتے تھے۔ میں نے ان کو مصروف کرنے کے لیے مولوی صاحب کو قرآن پاک پڑھانے کے لیے مقرر کیا۔ جب میں ان سے فقہ اور دوسری اسلامی باتیں پوچھیں تو وہ حیران ہو کر میرے کٹے ہوئے بالوں کو دیکھنے لگے اور چڑ کر کہا" آپ خود کیوں نہیں پڑھالیتیں۔ [۸]

اسی واقعے میں کشور ناہید نے اپنے کٹے ہوئے بالوں پر مولوی صاحب کی تنقیدی نگاہ کا ذکر بھی کیا ہے۔ مولوی صاحب کا کشور ناہید کے بالوں پر طنزیہ نگاہ ایک الگ کا طرح کا ڈسکورس پیش کرتا ہے۔ ہمارے سماج کی عورت کا دوپٹہ نہ اوڑھنا، بالوں کی مختلف اسٹائل سے کٹینگ کروانا، جینز شارٹ کو بطور لباس پہننا کو ماڈرن یا فیشن زدہ خاتون کا نام دیا جاتا ہے، بحر حال ہماری تہذیب و ثقافت اس بات کی منافی ہے، لیکن یہاں یہ نکتہ زیر غور ہے کہ ایک ماڈرن اور جدید عورت کو دیکھ کر یہ خیال کر لینا کہ وہ اپنے دین سے دور ہے اور اپنی دینی باتوں کا اسے کچھ علم نہیں سراسر غلط ہے، اسی طرح ہمارے سماج میں ایک شخص جس نے لمبی ڈارھی رکھ لی ہو اسے مولوی کا لقب دے دیا جاتا ہے۔ اسے پاکیزہ نیک صفت بنا دیا جاتا ہے۔ جب کہ اس کے برعکس ایک عورت کی ظاہری حالت سے اسے دین سے لاغر قرار دیا جاتا ہے۔ اس پورے پیراگراف میں ایک ماں کی مجبوری، ایک فیشن زدہ عورت کا کلامیہ ملتا ہے جو ہمارے آج کے سماج کی عورت ہے۔

ایک اور جگہ کشور ناہید نے اپنی گھریلو سرگرمی کا ذکر اپنے قاری سے کیا ہے، جب ان کے بچے میز و اور فیصل ان کے ساتھ مل کر سالن گرم کرتے اور کشور ناہید روٹیاں پکایا کرتیں اور سب لوگ مل کر ایک ساتھ کھانا کھاتے۔ یہ دن مصنفہ کی یاداشت کے بہترین دن تھے، اگر دیکھا جائے تو اس واقعے کے بیان اور قاری کے پڑھنے کے بعد اپنی صدیوں سے چلی روایت کے وہ دن یاد آجاتے ہیں جب دیہات اور اکثر شہروں کے رہنے والے اپنے اہل خانہ کے ساتھ مل جل کر ایک دستر پر بیٹھتے، گپ شپ کرتے۔ سب کا مل بیٹھ کر ایک ہی دستر پر کھانا امن و محبت کو فروغ دینے کا ایک طریقہ تھا۔ یہ روایت تقسیم ہند پہلے اور بعد میں اکثر گھرانوں میں چلتی رہی، ہمارے دیہی علاقوں میں یہ روایت اب بھی ذندہ ہے لیکن شہروں میں زندگی کی مصروفیات نے س روایت کو جڑ سے ختم کر دیا۔

جنرل یحیٰ کے زمانے میں شیر علی وزرات اطلاعات کے انچارج تھے انہوں نے پہلے تو یہ کام کیا کہ قائد اعظم کی ۱۱ اگست والی تقریر وزرات سے غائب کروادی گئی۔[9]

ذاتی زندگی کے حالات کے ساتھ ساتھ کشور ناہید نے کچھ نظر سیاسی صورت حال پر بھی ڈالی۔ سیاسی صورت حال کے اتار چڑھاؤ کے بیان اس بات کی طرف اشارہ کرتے ہیں کہ آپ سیاسی باریکیوں کو بھی خوب سمجھتی تھیں۔ صدر جنرل یحی کا صدر بننے کے بعد ۱۹۷۹ء میں لگنے والے مارشل لاء کا ذکر بھی ملتا ہے۔ اس دوران قائد اعظم کی امن و شانتی۔ اتحاد کو فروغ دینے والی تقریر کو وزاعت اطلاعات سے غائب کروادیا گیا۔ بہت سی جگہوں پر ۱۹۷۱ء میں ہونے والی مشرقی پاکستان کی تقسیم کا ذمہ دار جنرل یحی خان کی نااہل حکومت کو ٹھہرایا گیا۔ ذاتی زندگی کے بیان کے ساتھ ہی اچانک سے سیاسی حالات کا بیان قاری کے لیے پورے منظر نامے کو سمجھنے میں دقت دیتا ہے۔ گھریلو زندگی کے تبصروں کے بیچ سیاسی حالات کا تبصرہ ابہام کا باعث ہے۔ مگر سیاسی حالات پر مبنی پورا پیراگراف ایک یونٹ کے طور پر موجود ہے۔ جس میں ڈسکورس کے بنیادی نکات اتصال اور ہم آہنگی کی دونوں صورتیں موجود ہیں،

۱۹۷۱ء کی انڈیا پاکستان کی لڑائی کے دنوں میں اکثر کرفیو لگتا، کرشن نگر میں منو بھائی، شفقت تنویر مرزا، شاکر علی، تنویر مسعود اور جاوید شاہین جو کہ ریواز گارڈن کے قریب رہتے تھے، ہم سب جمع ہو کر گلی میں کبھی بچوں کے ساتھ کرکٹ کھیلتے۔[10]

۱۹۷۱ء کی لڑائی کا ذکر ملتا ہے۔ یہ پورا اقتباس معنیاتی اور قواعدی اعتبار سے جڑا ہوا ہے۔ جنگی حالات میں کرفیو لگنے کا ذکر ملتا ہے۔ جنگ کے دنوں میں مختلف شہروں میں کرفیو لگنا بھی ایک عام بات ہے، ان دنوں کا احوال مصنفہ نے بیان جب جب کرفیو لگنے کے باعث سب کچھ بند تھا ان دنوں کشور ناہید کی رہائش گاہ کے قریب رہنے والے سب دوست احباب گلی محلوں میں کرکٹ کھیل کر وقت گزاری کیا کرتے تھے۔ ۱۹۶۵ء میں لکھے جانے والے نغموں ان کو گانے والوں کا سرحدوں پر موجود سپاہیوں کا لہو گرم رکھنے کا ایک بہانہ تھے جو اپنی وطن کی محبت میں

سرشاری سے لڑتے دیکھائی دیتے، یہاں استعمال ہونے والے لفظ کرفیو کی ان حالات کی بہترین وضاحت کرتا ہے کرفیو کے دوران تمام ذرائع آمدورفعت، نجی دفاتر، سرکاری دفاتر، سکول کالجز بازار سب بند ہو جایا کرتے ہیں۔ کرفیو پر سب سے پہلا ایکٹ ۱۹۴۱ء میں انگریزی اور جرمن زبانوں میں شائع ہوا۔

مصنفہ کشور ناہید ۱۹۶۵ء کی جنگ اور ۱۹۷۱ء کی جنگوں کے درمیان کی شدت کا مقابلہ ان دونوں جنگوں کے درمیان لکھے جانے والے نغموں سے کرتی ہیں ۱۹۶۵ء کی جنگ میں لکھے جانے والے نغمات آج بھی لوگوں کے دلوں دماغ پر تازہ ہیں۔ ۱۹۶۵ء میں لکھے گئے نغموں کو اگر آج بھی سن لیا جائے تو انسان اپنے ماضی کی دی ہوئی قربانیوں کو یاد کرنے لگتا ہے۔ یہ نغمے آج بھی ہماری نوجوان نسل کے لبوں پر جاری رہتے ہیں، شاید پاکستان کی ۱۹۶۵ء کی جنگ جیتنے کی وجہ بھی یہ نغے ہی تھے جو سپاہوں کے تن من میں آگ بھڑکاتے رہے۔ جب کہ ۱۹۷۱ء میں لکھے گئے نغمے شاید ہی کسی کو یاد ہوں۔ ان واقعات کا بیان قاری کو فلیش بیک تکنیک کے مطابق زمانہ ماضی میں لے جاتا ہے۔

کشور ناہید اپنی آپ بیتی میں ایک ایسی کتاب کی تقریب کا ذکر کرتی ہیں۔ جس کے خلاف پوری پارسی کمیونٹی ہے۔ بپسی سدھوا ایک ۱۹۷۸ء میں منظر عام پر آیا، اس کی تقریب جسٹس جاوید اقبال کی "The Crow Eaters" پاکستانی ناول نگار ہیں، کی صدارت میں نیشنل سنٹر میں منعقد کی گئی۔ جہاں نگرانی کرنے والوں میں پولیس کا ایک پورا مجمع شامل تھا، جس کی وجہ کسی بھی قسم کے انتشار سے بچنا تھا، کشور ناہید نے ان واقعات کے بیان سے حالات کی نازکی بیان کرنے کی کوشش کی ہے، ایک پارسی نگار کو اپنی ہی پارسی کمیونٹی سے خطرہ لاحق تھا۔ جس کا سبب ان کا ناول تھا۔ اس ناول کے سبب پیدا ہونے والے انتشار کی وجہ اس ناول کی کہانی ہے جو ایک پارسی کی ذاتی اور جنسی زندگی پر بنی ہے۔ [۱۱]

> بیپسی سدھوا کی کتاب Crow Eaters کی تقریب پولیس کی نگرانی میں جسٹس جاوید اقبال کی صدارت میں منعقد ہوئی۔ پولیس کیوں آئی؟ سبب یہ تھا کہ پوری پارسی کمیونٹی اس کتاب کی وجہ سے بیپسی کے خلاف ہوگئی تھی۔ یہ منظر نامہ بھٹو صاحب کی حکومت کا تختہ الٹنے تک جاری رہا۔ [۱۲]

پیپسی سدھوا پارسی کمیونٹی کی وضاحت کے لیے چند اہم باتیں جاننے کی ضرورت ہے، پارسی مذہب کے لوگ اپنے مذہب کے دائرہ کار میں نہ کسی کو شامل ہونے دیتے ہیں اور نہ ہی کسی اور مذہب کو قبول کرتے ہیں یہ اپنے مذہب سے باہر شادی بیاہ بھی نہیں کرتے جس کی وجہ دنیا میں ان کی تعداد کم ہوتی جارہی ہے۔ بپسی سدھوا کا تعلق پارسی مذہب سے ہے اس کے باوجود اپنے معاشرے کے فرد پر ایک کہانی لکھنے پر ان کے اپنے مذاہب لوگ برہم

تھے۔اس ناول کی اشاعت کے دنوں میں بھٹو کی حکومت تھی اور پارسی کمیونٹی کا برہم ہونا بھٹو کی حکومت کے لیے خطرے کا باعث تھا۔

کشور ناہید نے بپسی سدھوا کا ذکر اور کتاب کی نوعیت کا ذکر مختصر انداز میں بیان کیا تھا، ان کے قاری کے لیے پورے معاملے کا تفصیلی بیان ان حالات اور بپسی سدھوا اور پارسی کمیونٹی کو سمجھنے میں مدد دے گا۔اس پورے اقتباس میں دلائل کے ساتھ واقعے کو بیان کیا گیا ہے جس میں اتصال اور ہم آہنگی کے عناصر موجود ہیں۔جو پورے اقتباس کو ایک مکمل یونٹ کے طور پر پیش کر رہے ہیں۔

کشور ناہید نے اپنے نوکری سے برطرفی کی وجہ وزیر صاحب کو نظر انداز کرنا بتائی۔وزیر صاحب نے کشور سے بے تکلف ہونے کی کوشش کی اور ہاتھ بڑھا کر کشور ناہید کو فاصلہ کم کرنے تاکید کی ج۔وزیر صاحب کا ہاتھ آگے بڑھانا ایک غیر لسانی سرگرمی ہے مگر اس سرگرمی کا بیان کشور ناہید کے ساتھ پیش آنے والے واقعے میں جان پیدا کرتا ہے۔اگر مصنفہ صرف لفظوں کا استعمال کرتیں اور ڈھکے چھپے الفاظ کا بیان کرتیں تو شاید اس متن کو قاری کے لیے معانی دینا مشکل ہوتا۔اس طرح کے واقعات آج بھی ہمارے معاشرے میں آئے دن پیش آتے ہیں کشور نے اس واقعے کے بیان سے اپنے باس کی طرف سے ہر اس کی جانے والوں کو رستہ دیکھایا۔"وزیر صاحب نے میرے ہاتھ کی جانب ہاتھ بڑھاتے ہوئے کہا'۔فاصلہ کیسے کم ہو جب تم ہی نہ چاہو" یہ سن کر میں غصے سے باہر نکل آئی اور اگلے دن مجھے سسپنڈ کر دیا گیا"[۳۱]

اسی طرح یہاں احمد فراز کو بھی نوکری سے بے دخل کرنے کی وجہ ریڈیو پاکستان پر نعت پڑھنا بتایا گیا جس میں نبی کریم ﷺ سے کچھ شکایتوں کے الفاظ موجود تھے۔نبی کریم ﷺ سے ہماری محبت والہانہ ہے ہمیں بچپن سے نبی ﷺ سے محبت اور نعت میں نبی کی تعریف بیان کرنے کے سبق پڑھائے جاتے ہیں، ہمیں نبی ﷺ سے عقیدت اور محبت سیکھائی جاتی ہے۔ایسے میں احمد فراز کا پر عتاب نازل ہونا یقینی امر تھا۔یا پھر انھیں نوکری سے برطرفی کا ایک بہانہ بنایا گیا ہو۔ان معاملات کے بیان سے کشور ناہید نے اپنی قلم کی طاقت کے ذریعے اپنی اور اپنے ہم عصر احمد فراز کی برطرفی کا ذکر کھل کر کیا۔

کشور ناہید کا وزیر صاحب کی غیر اخلاقی حرکت پر شدید رد عمل کا اظہار جسے وزیر صاحب برداشت نہ کر سکے ہمارے معاشرے کے ہر انا پرست وزیر کا قصہ ہے۔وقت میں بدلاؤ کے ساتھ لوگوں کی ذہنیت نہیں بدلی۔یہ ایک عام بات ہے جس سے اس معاشرے کا ہر فرد واقف ہے۔کسی ادارے میں کام کرنے والا افسر جو عہدے میں آپ سے بڑا ہو اس کا ہر جائز و ناجائز حکم بجالانا فرض سمجھا جاتا ہے چاہیے وہ غیر قانونی اور غیر اخلاقی ہی کیوں نہ ہو۔اور کشور ناہید کا اس موقع پر غصے کا اظہار کرنا ایک عورت کی فطرت میں شامل ہے۔کشور ناہید کو بھی اس غصے پر اظہار کی وجہ

سے نوکری سے برطرف کر دیا گیا۔ اس معاشرے کا ایک فرد چاہیے وہ مرد ہو یا عورت اپنے سے اونچے عہدے کے افسر کے سامنے اپنی رائے کا اظہار نہیں کر سکتے۔ اور اگر وہ اپنے روایوں سے اپنی رائے کا اظہار کر دیں تو اسے جرم بنالیا جاتا ہے۔

> بھٹو صاحب نے سارے سکولوں، کالجوں اور صنعتوں کو قومیا لیا تھا۔ یہ سوچے بغیر کہ جن دو ممالک کی کی نقل کا سودا کر رہے تھے وہاں روس تحریک چل چکی ہے۔ چین کے ثقافتی انقلاب Revisionist کو عوام رد کر رہے تھے اور روس میں کوکا کولا اپنے پیر جمارہا تھا۔[14]

مصنفہ نے ایک لفظ "قومیا" کا استعمال کیا ہے اس لفظ کا استعمال اردو ادب میں کم و بیش ہوتا ہے۔ اس لفظ کا لغوی معانی "حکومتی تحویل میں لے لینا"[15] ہے۔ اس پورے اقتباس میں کشور ناہید نے بھٹو کے اقدامات سے روس کی انقلابی تحریک کا ذکر کیا ہے۔ یہاں دو مختلف سماج کے لوگوں اور حکومتوں کے اقدامات کے نتائج ملتے ہیں۔ کشور ناہید نے روس کی جس انقلابی تحریک کا ذکر کیا وہاں کا معاشرہ اور ہمارا معاشرہ دو مختلف اقتدار کے حامل ہیں۔ بھٹو نے ملک روس کی دیکھا دیکھی ملک کے تمام اداروں کو اپنی حکومتی تحویل میں لے لیا۔ روس میں مغربی حکوتیں اپنے قدم جما رہیں تھیں۔ اس کے ساتھ ساتھ چین کے ثقافتی انقلاب کا حوالہ بھی دیا گیا ہے جو اس بات کا ثبوت ہے کہ کشور ناہید کی توجہ بین الاقوامی حالات پر بھی مکمل تھی۔ مصنفہ ایک اسلامی ریاست میں لائی جانے والی تبدیلیوں کو روس میں شروع ہونے والی انقلابی تحریک اور چین میں آنے والی ثقافتی انقلاب کے ساتھ موازنہ کرتی ہیں۔ یہ دنیا کی تاریخ میں پہلی مرتبہ ہوا کہ روس میں محنت کش طبقہ اور مظلوم طبقہ اپنی حکومت قائم کرنے میں کامیاب ہوگیا۔

یہاں مصنفہ نے چین کے ثقافتی انقلاب کا ذکر بھی کیا ہے، چین میں ہونے والے اس ثقافتی انقلاب کی عوام نے بھرپور مذمت کی، اس وقت ماؤزے تنگ چین کا حکمران تھا، ماؤزے تنگ کا اس تحریک کو چلانے کا مقصد اپنے حریفوں سے بدلہ لینا تھا مگر ماؤزے تنگ کے اس اقدام میں چین کی عوام میں سیاسی اقتصادی اور سماجی طور پر ایک بے چینی کی فضا پھیل گئی۔[16] چین کی عوام اس انقلاب کو مسلسل رد کر رہی تھی۔ روس کی انقلابی تحریک اور چین کے ثقافتی انقلاب کے تذکرے وجہ، قاری کو یہ باور کروانا ہے کہ بھٹو بھی اسے طرح کی ایک نئی انقلابی تحریک لانے کے خواہش مند تھے۔

بھٹو اپنی طرز کا انقلاب مکمل طور پر تو نہ لا سکے مگر مولویوں کے مشاورت سے ملک میں شراب پر پابندی عائد کر دی گئی، توہین رسالت کا قانون بنایا اور احمدیوں کو کافر قرار دیا گیا۔ ان کے بنائے گئے قوانین کو آٹھویں ترمیم کے نام سے باقاعدہ قانون کی حیثیت دے دی گئی۔ باقی بنائے گئے قانون جوں کے توں ہیں۔ اس کے بعد کئی حکومتیں آئیں مگر کسی نے اس میں ترمیم کرنے کے کوشش نہ کی۔ مگر شراب پر پابندی لگانے والے قانون پر عملاً سماج کی طرف کوئی

عمل نہ کیا گیا، اس کے بعد شراب بکتی رہی اور آج بھی ہمارے معاشرے میں شراب خفیہ طور پر استعمال کی جاتی ہے۔ اسلام میں بھی شراب کو حرام قرار دیا گیا اس کے باوجود اس کا چلن عام ہے۔ یہی وجہ ہے کہ کشور ناہید کے دوست احباب بھی شراب کی بوتلیں نہر میں ٹھنڈی کیا کرتے تھے۔

مصنفہ نے مشرقی پاکستان کا سقوط دیکھا اور اس کا ذکر اپنی یاداشت میں کیا۔ مصنفہ اور قاری دونوں کی مشرقی پاکستان کے ساتھ جذباتی طور پر گہری وابستگی ہے، مصنفہ نے یہ سقوط اپنی آنکھوں سے دیکھا جب کہ ان کا قاری آج کے دور میں مشرقی پاکستان کے سقوط کی حقیقت سے آگاہ نہیں ہے، پاکستانی تاریخ کے دو اہم صدران جنرل یحیٰ خان اور بھٹو کی نااہلی کی وجہ سے مشرقی پاکستان کا سقوط عمل میں آیا۔ اس جنگ کے دوران ان فوجی افسران کی بیویوں کا ذکر بھی ملتا ہے جنہیں جنگ کے دوران قید کر دیا گیا، عورتیں فطرتاً نرم دل کی مالک ہوتی ہیں روز نیشنل سنٹر میں فریاد لے کر پہنچ جاتی بھٹو صاحب نے ان خواتین کے وفد کو زیادہ شور شرابے سے بچنے کے لیے دنیا کے دورپر بھیجا تا کہ وہاں جا کر خوب رو کر واپس آئیں، کچھ دنوں بعد بنگال میں قید کیے جانے والے تمام افسران کو رہا کر دیا گیا۔ کشور ناہید اور ان کے قاری دونوں کے اندر مشرقی پاکستان کی علیحدگی کا دکھ زندہ ہے۔ اور اس واقعے کا اپنی یاداشت میں ذکر اس بات کا ثبوت ہے۔ "سقوط مشرقی پاکستان کے بعد ۹۳ ہزار فوجی اور دیگر افسران ہندوستان کی قید میں چلے گئے۔ مشرقی پاکستان بنگلہ دیش بن چکا تھا۔"[۱۷]

> اسلامک سمٹ ۱۹۷۴ء کے لیے، بہترین گھروں کا انتخاب کرنے کے لیے بیگم بھٹو کی سربراہی میں کمیٹی بنائی گئی کہ اس زمانے میں کوئی شاندار ہوٹل نہیں تھا۔[۱۸]

اپنی نوکری کے زمانہ میں ہی اسلامک سمٹ مینار ۱۹۷۴ء کے ایک واقعے کی طرف اشارہ کیا ہے، اسلامک سمٹ مینار کی تاریخ کا تفصیلاً کوئی ذکر موجود نہیں ہے۔ تاریخ سے لاعلم قاری کے لیے اس اصطلاح کے پس منظر تک رسائی نہ ہونے سے قاری متن کے معانی و مفہوم تک آسانی سے رسائی حاصل نہیں کر سکتا۔ اسلامک سمٹ مینار دوسری اسلامی سرابرہی کی یادگار کے طور پر بنایا گیا، اس کانفریس کی تقریب میں اسلامی ممالک کے تمام سربرہران نے شرکت کی تھی۔ اس کانفریس میں شریک سعودی حکمران کو ٹھہرانے کے فلم اسٹار زیبا اور محمد علی کے گھر کا انتخاب کیا گیا، اس مینار کا ڈیزائن ترکی کے ایک ماہر تعمیرات ویدات الودنے بنایا تھا، اس مینار کا سنگ بنیاد رکھنے ۲۹ مما لک کے سفیر پاکستان تشریف لائے تھے۔[۱۹]

اس مینار کی تعمیر ذوالفقار علی بھٹو کے دور میں کی گئی تھی۔ اس مینار کا تمام اسلامی ممالک کی تہذیب و ثقافت کو سمونے کی کوشش کی گئی تھی۔ کشور ناہید کی نظم "کلیرنس سیل" اسی موقعے کی یادگار کے طور پر لکھی گئی۔

آپ پر اختر شیرانی نظمیں لکھا کرتے تھے، کوئی تصویر یا تحریر آپ کے پاس ہو تو دیں۔" انہوں نے بڑھاپے میں شرما کر کہا۔" چل ہٹ، میرا کیا واسطہ" مجھے بھی معلوم تھا مگر وہ جب بھی اختر شیرانی کا نام لو تو شرما ضرور جاتی ہیں۔[۲۰]

مصنفہ نے اپنی آپ بیتی میں بیگم تصدق حسین کے چہرے کے تاثرات کا اظہار کیا گیا جو متن کو معانی پہنانے میں اہم کردار ادا کرتے ہیں، اس واقعے کا ذکر کشور ناہید نے مختلف ادباء کی تصاویر کی اشاعت کے سلسلے میں کیا مگر بیگم سلمیٰ کے تاثرات کا غیر لسانی اظہار عورت کی فطرت میں موجود شرمیلے پن کی وجہ ہے، بظاہر بیگم سلمیٰ تصدق حسین اور اختر شیرانی کے جذبات کا اظہار قاری کے سامنے کبھی کھل کر نہ آیا مگر ادب کی صنف شاعری سے لگاؤ رکھنے والا قاری اس بات سے بخوبی واقف ہے۔ اختر شیرانی کی نظموں میں سلمیٰ نام کی ایک عورت کا ایک خوب صورت مجسمہ پیش کیا گیا،

اختر شیرانی نے اپنی نظموں میں اپنے تراشے ہوئے سلمیٰ نام کے کردار کی تعریف اتنے خوبصورت انداز میں کی کہ انھیں ہندوستان کا کیٹس کہا جانے لگا آپ کی نظموں سے چند مصرعے ملاحظہ ہوں۔

خدائی کہکشاں کہتی ہے جس کو
وہ سلمیٰ کا خرام رائیگاں ہے
بہار حسن کا تو غنچہ شاداب ہے سلمیٰ
ترا حم اک سراسر ریشم و کمخواب سے سلم"[۲۱]

اختر شیرانی کے ان مصرعوں میں سلمیٰ کی خرام رائیگاں کو کہکشاں کہا گیا ہے، اور انھیں بہار میں کھلنے والا ایک غنچہ قرار دیا گیا ہے مگر اختر شیرانی نے کبھی کھل کر سلمیٰ سے عاشقی کا اظہار نہیں کیا گیا۔ یہی وجہ ہے کہ اختر شیرانی کے سوال پر بیگم سلمیٰ تصدق حسین شرما جاتی ہیں۔ عورت کی فطرت میں اللہ تعالیٰ نے یہ خوبی رکھی ہے۔ وہ اپنے جذبات و احساسات کا اظہار کھل کر نہیں کرتی اس کے چہرے کے تاثرات ہی اس کے دل کی بات سامنے آجاتی ہے۔ کشور ناہید کی عورت پاک و ہند کی عورت ہے۔ اس عورت میں حیا اس کے کردار کی خوبی ہے۔ بے باکی اور بے حیائی مغربی عورت کا شیوہ ہے۔

امیر المومنین نے دیکھا، تو فوراً اسی دن سے پروگرام بند کرا دیا۔ مگر مصوری بھی کب ان کی دسترس سے باہر تھی۔ کولن ڈیوڈ تو خیر پینٹ ہی نیوڈ کرتا تھا، مگر اس نے اپنے گھر میں نمائش کا اہتمام کیا تھا۔ محفل اپنے عروج پر تھی۔ چھ آٹھ ہاکی بردار آئے۔ جو گاڑی، جو سر اور جو پینٹنگ سامنے آئی اس کو توڑ کے موٹر سائیکلوں پر بیٹھ کر فرار ہو گئے۔[۲۲]

کشور ناہید خط و خطابت کے عہدے سے اب ترقی کر کے چیف ایڈیٹر کے عہدے تک رسائی حاصل کر چکی ہیں۔ نیشنل سنٹر میں جب وہ چیف ایڈیٹر کے عہدے پر مامور تھیں۔ وہ زمانہ جنرل ضیاء الحق کے مارشل لاء کا تھا۔ اس زمانے میں مصوری کی ایک خفیہ نمائش کا ذکر کرتی ہیں، یہ نمائش کولن ڈیوڈ کے اپنے گھر پر رکھی گئی۔ کولن ڈیوڈ پاکستان کی تاریخ میں ایک نیوڈ پینٹرز کی وجہ سے مشہور تھا۔ انھوں نے آپٹیکل آرٹ اور الوژن کے عنصر کو اپنی مصوری میں کمال مہارت کے ساتھ استعمال کیا۔ [۲۳]

۱۹۹۰ء جنرل ضیاء الحق کے مارشل لاء کا دور تھا۔ اس زمانے میں آزادی اظہار پر مکمل پابندی تھی۔ کولن ڈیوڈ نے اپنی مصوری کی ایک نجی تقریب اپنے گھر میں منعقد کی۔ مگر کچھ شدت پسندوں کے ہاتھ نمائش کا دعوت نامہ لگ گیا۔ جس کے نتیجے میں ان شدت پسندوں نے تقریب کے عین موقع پر حملہ کر کے کولن ڈیوڈ کے تمام قیمتی فن پاروں کو ضائع کر دیا۔

پاکستانی تاریخ کی آرٹ ہسٹری میں یہ واقعہ ایک دھبے کی صورت اختیار کر گیا، ایک ایسی ریاست جس کے حصول کے لیے ہم نے بے پناہ قربانیاں دیں ایک ایسی ریاست جہاں ہم آزادی سے سانس لے سکیں ایک آزاد ریاست میں اس طرح کے واقعات قابل مذمت ہیں۔ اسی طرح مصنفہ فری میسن حال میں ہونے والی ایک نمائش کو بھی کچھ شدت پسندوں نے بری طرح نقصان پہنچایا جب کہ وہ نمائش آیات اور اشعار کی پنٹگز تھیں، ان تمام حالات و واقعات کے سبب کسی بھی تخلیق کار کی تخلیق محفوظ نہ تھیں۔ پھر وہ تخلیق چاہیے کسی ادبی لکھاری کی ہو یا مصور کی۔ مارشل لاء کے دوران تمام تخلیق کار کسی نہ کسی مسئلے سے دوچار رہے۔

> کوئی دو مہینے گزرے ہوں گے کہ میں نے سرخ پولکاڈاٹ کا سوٹ پہنا۔ ٹی وی پر اسے دیکھ کر ایک خاتون نے فون کیا۔ آپ نے خوب کیا کہ شوہر کی وفات کے چند ماہ بعد ہی سرخ رنگ کے کپڑے پہن لیے۔ اس طرح کے بہت طعنے دیے گئے۔ [۲۴]

کشور ناہید نے یوسف کامران کی موت کے بعد ٹی وی شو پر سرخ پولکاڈاٹ کے سوٹ پہننے کا واقعہ بیان کرتی ہیں۔ سرخ رنگ کا سوٹ پہننا در حقیقت ایک غیر لسانی سرگرمی ہے مگر اس متن کے معانی کی وضاحت اس سے بہترین طور پر کی گئی۔ سرخ کو برصغیر پاک و ہند کی عورت کے لیے خوش بختی کی علامت لیا جاتا ہے۔ کشور ناہید کا اس واقعے کا بیان ہمارے معاشرے کی خواتین کی نفسیات کو سمجھنے میں مدد دیتا ہے، ہمارے معاشرے میں شوہر کی وفات کے بعد عورت کے لیے سرخ جوڑا پہننا حرام قرار دے دیا جاتا ہے۔

یوسف کامران کی وفات پر کشور ناہید کا سرخ جوڑا پہننے پر انھیں سماج کی تنگ نظر خواتین کی طرف سے طعنے سننے کو ملے۔ مگر آپ نے ان طعنوں پر کوئی دھیان نہ دیا اور اپنے کام میں مصروف عمل رہ کر منفی سوچ کے حامل

لوگوں کو نظر انداز کرتیں رہیں۔ زندگی میں آگے بڑھنے اور کسی مقام تک پہنچنے کے لیے اندھا، گونگا اور بہرا ہونا پڑتا ہے ورنہ انسان کی ترقی کا عمل وہی رک جاتا ہے۔ منفی لوگوں سے دوری اختیار کر کے ہی ہم کسی منزل تک پہنچ سکتے ہیں ۔

> ۱۹۹۱ء میں سیمون ڈی بوا کی کتاب کا ترجمہ بلکہ تلخیص میں نے کی۔ وین گارڈ نے شائع کی۔ قیامت ہو گئی۔ ایک ماہ میں پانچ ہزار کاپیاں فروخت ہو گئیں۔ یونی ورسٹی کے سارے بچوں نے کتاب خریدی۔ حکومت میں تو قیامت آ گئی۔ [۲۵]

جنرل ضیاء الحق کے "The Second Sex" "سیمون ڈی بوا کی کتاب کی تلخیص کشور ناہید نے کی۔ اس واقعے کا ذکر اس وقت ملتا ہے جب ۱۹۹۱ء میں مارشل لاء کا دور تھا۔ کشور ناہید کی یہ ترجمے کی کتاب شائع ہونے کے بعد فوراً ہی مقبولیت کے درجوں تک پہنچنے لگی۔ اس کتاب کو فحاشی کے الزام میں بین کر دیا گیا۔ اس کے علاوہ کشور ناہید پر فحاش تحریریں لکھنے کا مقدمہ دائر کیا گیا۔ اس وقت اعجاز بٹالوی نے اس کتاب کی انسائیکلوپیڈیا سے تحقیق کے بعد کشور ناہید پر دائر مقدمہ واپس لے لیا گیا مگر کتاب کو منظر عام پر لانے کی اجازت نہ مل سکی۔ صدر ضیاء الحق نے ملک میں اسلامی نظام جاری کرنے کی ٹھانی۔ مارشل لاء کے دوران کشور ناہید کی تلخیص کی کتاب کو بین کر دیا گیا۔ مارشل لاء کے دوران کسی بھی کسی قسم کا تخلیق کاروں کو مختلف مسائل کا سامنا رہا۔ غیر ملکی تصانیف کے تراجم کو فحاشی کے الزام میں بین کر دیا گیا، مصوری کی نجی نمائشوں کو تہس نہس کر دیا گیا۔ جس سے ادبی اور مصوری کے فنون کے شائقین کے لیے افسوس ناک بات تھی۔ ان اوقات کے تخلیق کار کو جن مسائل کا سامنا رہا کشور کی یاداشت ان واقعات کی مدد سے ترجمانی کرتی ہے۔

کشور ناہید نے یہاں ان حالات کا ذکر کیا جب ملازمت سے انھیں نہ ہی نکالا گیا اور نہ ہی ان کی پوسٹنگ کی جا رہی تھی۔ اس دوران آپ نے مختلف ویمن ایسوسیئشنز کے ساتھ کام کرنا شروع کیا۔ کشور ناہید تانیثی پسند فکر تو شروع سے ہی رکھتی تھیں۔ اب باقاعدہ پلیٹ فارم کے تحت عورتوں کے حقوق کے لیے کام کرنا شروع کیا۔ ایک شاعرہ ہونے کے ناطے آپ کے قلم سے ابھی اسی تانیثی موضوعات نکلتے۔ آپ نے بزنس اینڈ ویمن کلب کے ادارے کا ذکر کیا ہے۔ اس ادرارے کا مقصد ملک کی خواتین میں شعور کی بیداری تھا۔ پچھلے ابواب میں کشور ناہید نے دیہی خواتین کے لیے صنعتی اداروں کے قیام کے مختلف دیہی علاقوں کا سروے کرنے کا ذکر کیا جو ان کی تحریر کو معانی پہنانے میں اور ان کے مقاصد کو سمجھنے میں اہم کردار ادا کر رہی ہے۔

> ہر کارکن عورت نے ایک ایک اینٹ رکھی۔یوں بنیاد پڑی۔ ادھر ضیاء کی حکومت نے قصاص اور دین کا قانون پاس کیا، ۲۰ ستمبر ۱۹۸۱ء میں کراچی میں ویف کی بنیاد پڑی کہ ان ظالم قوانین کی تنسیخ کے لیے جلوس نکالے جائیں۔[۲۶]

کشور ناہید نے نیشنل بنک اور یوٹیلٹی سٹور کی بنیادوں میں ہر خواتین رکن سے ایک ایک اینٹ رکھوانے کا ذکر کیا۔ تمام خواتین کارکنوں سے نیشنل بنک اور یوٹیلٹی سٹور کی بنیادوں میں ایک ایک اینٹ رکھوانے کی سرگرمی کے پیچھے سیاسی مقاصد تھے۔ خواتین جو اس ملک کی ترقی میں مردوں کے شانہ بشانہ اپنا کردار ادا رہی ہیں۔ انھیں ہمارے ہاں کسی قسم کی پذیرائی نہیں ملتی۔ پاکستان کی بنیادیں مرد اور عورت کے باہمی اتحاد سے ہی مضبوط ہو سکتی ہیں۔خواتین کارکنان کا نیشنل بنک کی عمارت میں حصہ ڈالنا بظاہر ایک عام سی بات ہے مگر یہ واقعہ اپنے اندر ایک سیاسی پس منظر رکھتا ہے۔

خواتین کارکنان کے اس عمل کی نشاندہی ایک ایسا عمل جس کے ذریعے سماج کے نظریات کو تبدیل کرنے کی کاوش تھی۔ آذادی کے بعد ایک نئی ریاست اور ایک نئے سماج کی تشکیل پسندوں کے سامنے ایسے واقعات کو سامنے لانا جہاں خواتین کو ملک کی ترقی میں برابر کا حصہ دار دیکھایا جائے ،ضروری ہے۔ ۱۹۸۱ء میں ویف کی تشکیل کے خلاف احتجاج کے لیے خواتین کے جلوس نکالے گئے اس کے ساتھ ریگل چوک سے صحافیوں کی ٹولیوں کو گرفتار کرنا شروع کیا ان حالات میں حکومتی اداروں کی خواتین احتجاج میں پیش پیش رہنے کے باوجود سرعام اس طرح کی کسی سرگرمی میں ملوث نہ رہیں۔

> اسی اثناء میں اعجاز بٹالوی نے میری طرف سے حکومت کے خلاف مقدمہ دائر کر دیا کہ مجھے سنیئر سرکاری افسر ہونے کے باوجود تنخواہ نہیں مل رہی ہے اور نہ کوئی پوسٹنگ ہوئی ہے۔ڈھیر سارے پیسے ملے ،مگر اب مجھے انفارمیشن ڈیپارٹمنٹ میں رات گیارہ بجے سے صبح ۹ بجے تک کی ڈیوٹی ملی۔کمرہ وہ ملا جس کی چھت ٹوٹی ہوئی تھی اور اس میں سے چوہے گرتے تھے۔[۲۷]

ملک کی سیاسی خراب ترین صورت حال میں کشور ناہید کو گھر رہنے پر مجبور کر دیا گیا نہ ان کے ٹرانسفر کے احکامات جاری کیے گئے اور نہ ہی ان کو تنخواہ دی جاتی رہی۔سیاسی انتشار سے موقع پا کر اعجاز بٹالوی نے حکومتی اداروں پر کشور ناہید کو سنیئر افسر ہونے کے باوجود تنخواہ نہ دیے جانے پر مقدمہ دائر کیا جس کے نتیجے میں تنخواہ کے ساتھ نوکری کی بحالی بھی ممکن ہو گئی، یہاں اعجاز بٹالوی جو کہ ایک مرد اور منصف بھی ہیں ایک خاتون افسر کا بے لوث ساتھ دیتے نظر آتے ہیں۔ برصغیر پاک وہند میں اعجاز بٹالوی جسے افراد بھی پائے جاتے ہیں مگر ان کی تعداد بہت کم ہے

ہمارے سماج کی عورت کو جہاں برے مردوں کا سامنا رہتا ہے وہی نیک صفت انسان بھی ہماری مدد کے لیے موجود ہوتے ہیں۔

یہاں نوکری میں در پیش مشکلات کے دوران ایک اور واقعے کا ذکر بھی ملتا ہے جہاں نوکری سے بحالی پر مصنفہ کو سب سٹاف کی قطعی تعلقی سہنی پڑی اور سنئیر افسران کا باقی دفتر کے سٹاف کو دھکایا گیا کہ کشور ناہید کے ساتھ تعلق رکھنے پر ان کی اے سی آر کو خراب کر دیا جائے، یہ روایہ آج بھی ہمارے سماج میں دیکھنے میں آتا ہے۔۱۹۸۱ء معاشرہ تب بھی ایسا ہی تھا اور آج بھی دفتری ماحول ایسا ہی ہے۔

نوکری بحالی پر ایک مشرقی عورت کو رات کی ڈیوٹی پر معمور کر دیا گیا، تماد فتری سٹاف کی قطعی تعلقی، رات کی ڈیوٹی پر لگا دیا جانا یہ ایسے حربے ہیں جن کے پیچھے شاید یہ عوامل ہیں مصنفہ ان تمام ہتھ کنڈوں سے ڈر کر ملازمت سے مستعفی ہو جائیں۔ یہاں تک کہ آپ کا دفتر کا حلیہ ایک کباڑ خانے سے بدتر تھا۔ مصنفہ نے دفتر کی جو منظر نگاری کی اس سے دفتر کی چھت ٹوٹی پھوٹی تھی اور دفتر کی چھت سے چوہے گرتے رہتے۔ ہمارے سماج کی ایک عام عورت ان حربوں سے آسانی سے خوف زدہ ہو کر اپنے مقاصد سے پیچھے ہٹ سکتی ہے، مگر سماج کی وہ عورت جو کشور ناہید جیسی دبنگ ہو وہ ان اوچھے حربات کا مقابلہ کرنا خوب جانتی ہے۔

ویف کے خلاف جہاں احتجاجی جلوس نکالے جا رہے تھے وہی قانون شہادت یعنی جھوٹی گواہی کی افزائش اور زنا آڈینس کے خلات احتجاجی مظاہرے کیے جا رہے تھے۔ ان احتجاجی جلوس میں سرعام شراکت حکومت کے خلاف احتجاج تھا، کشور ناہید سرکاری افسر کے عہدے پر فائز تھیں ان تمام مظاہروں میں کشور نے بڑھ چڑھ کر حصہ لیا مگر کسی بنیادی ممبران کی لسٹ میں انکا نام شامل نہیں تھا، سرکاری ملازم ہونے کے ناتے وہ پابند تھی کہ کی جلوس اور لسٹ میں تصاویر یا نام نہ شائع ہو، اس سے حکومتی اداروں کی طرف سے ان پر سخت قسم کا ایکشن لیا جاتا اور ان جلوس میں سرگرم عمل رہنے کی وجہ سے نوکری سے دستبر اد ہونا پڑتا۔ جس کے وجہ سے ہر معاملے میں لگا سرکار کا دھبہ اتر جاتا۔

فیمنسٹ پارٹیز جن میں (حوا کرافٹ، بزنس اینڈ ویمن کلب۔ این جی او) کے شانہ بشانہ کام کرتی رہیں۔ تمام احتجاجی سرگرمیوں میں سرعمل رہیں مگر یہ سب کام آپ خفیہ طور پر سر انجام دیتی رہیں۔ تمام ادبی سیاسی صورت حال کا بیان اور سیاسی سرگرمیوں کا بیان کشور ناہید کی یاداشت جن واقعات کا مجموعہ ہیں اس وقت کی نزاکت کو سمجھنے میں مدد دیتے ہیں۔ مندرجہ بالا بیانیہ میں جن دو قوانین، قانون شہادت اور زنا آڈینس کا ذکر ملتا ہے یہ دونوں قوانین بھٹو کے رائج کر کے آٹھوین ترمیم کے نام سے آئین میں شامل کیے ہیں۔

جیسے ہم ہوٹل پہنچے دیکھا کہ کپڑوں کے تھان والے الگ اور درزی الگ پہنچے ہوئے تھے۔ صدر کا حکم تھا کہ یہ تمام خواتین کپڑے اپنی پسند کے منتخب کریں۔ مگر پاکستانی لباس تیار کروائیں اور جب ملنے آئیں تو وہی لباس پہنے ہوئے ہوں۔ چینی بے پناہ خوش ہوئیں۔ [۲۸]

ضیاء الحق کے دور حکومت میں ایک چینی خواتین اراکین کے وفد کے دورے کا ذکر ملتا ہے۔ جنرل ضیاء الحق اس وقت بر سر اقتدار تھے آپ فوج کے سربراہ تھے انھوں نے اپنے اقتدار کے درمیان مکمل طور پر اسلامی قانون کا نافذ کر دیا۔ یہی وجہ ہے کہ جب خواتین وفد اراکین نے جنرل ضیاء الحق سے ملنے کی خواہش کا اظہار تو جنرل ضیاء کے طرف ان کے کپڑا اور درزی بھیج کر یہ ہدایات جاری کی گئی تھیں کہ وہ اپنی پسند کے مطابق پاکستانی لباس تیار کروا کر ملنے آئیں خیر چینی وفد نے اس حکم پر خوشی کا اظہار کیا۔ جنرل ضیاء الحق نے جیسا دیس ویسا بھیس کی کہاوت کو سچ کر دیکھایا۔ جنرل ضیاء الحق کا یہ اقدام ان کی حکومتی عملیوں کا بہترین ڈسکورس پیش کرتا ہے۔

ضیاء الحق کے دور حکومت میں خواتین کے ڈرس کوٹ پر مکمل پابندے عائد کر دی گئی تھی مندرجہ بالا سطور میں ان کے اس عملی اقدام کی وضاحت کی گئی ہے، جس کا سب سے بڑا خمیازہ پاکستان فلم انڈسٹری کو بھگتنا پڑا، تمام فلم میکرز نے اپنی فلموں میں ایک سائیڈ ہیروئن عیسائی یا ہندو مذہب کے کردار میں پیش کرنا شروع کی جس کے لیے ڈریس پر کوئی پابندی عائد نہ کی گئی۔ پاکستانی فلموں کی کچھ سین ضیاء الحق نے رائٹرز کو دیکھائے اور تاکید کی کہ اگر اس طرح کے شوٹ دوبارہ منظر عام پر آئے تو ان پر اس زمیں کی مٹی حرام ہو گی۔ اس بات سے جنرل ضیاء الحق کا مقصد سختی تنبیہ کرنا تھا اور انھیں ملک بدری سے آگاہ کرنا تھا۔ ایک اسلامی ریاست میں اس طرح اقدامات پر بہت سختی سے عمل درآمد کروایا گیا۔ یہی وجہ ہے کہ عوام جنرل یحیٰ خان اور جنرل ضیاء الحق کے دور میں حکومت تنگی کا شکار تھی۔

اس سے پہلے یعنی جب لغاری صاحب وزیر تھے، تو یہ بیگم کافی پاڑٹی کرتی تھیں اور ڈیرہ غازی خان کے شیڈ ورک کے ڈوپٹے اور سوٹ فروخت کیا کرتی تھیں۔ ویسے تو ہر ڈی۔ سی اور کمیشنر کی بیوی اپنے علاقے کی کاریگر خواتین پر اپنا رعب ڈال کر کشیدہ کاری کروا کر، سوٹ کیس بھر کر دوبئی سے لندن اور امریکہ جا کر فروخت کر کے، شوہر کی آمدنی جو ویسے ہی وافر ہوتی ہے، اضافہ کرتی ہیں۔ [۲۹]

جنرل ضیاء الحق کے دور حکومت میں بیگم لغاری کی اپنے گھر میں کافی پارٹیز رکھنے کا بتایا گیا ہے۔ جس میں سیکریٹریز اور وزیروں کی بیگمات تشریف لایا کرتیں، اس کافی پارٹی کو رکھنے کا مقصد لغاری صاحب کی حکومتی تنخواہ میں اضافہ کرنا تھا۔ بیگم لغاری اپنے شوہر کے عہدے سے فائدہ اٹھا کر ڈیرہ غازی خان کے شیڈ ورک کے دوپٹے اور سوٹ سیکریٹریز اور وزیروں کی بیگمات کو بیچ کر اچھا خاصا نفع کمایا کرتیں۔ یہ کام دیگر کمیشنرز کی بیگمات بھی کیا کرتیں پاکستان

کی عمدہ کشیدہ کاری کے سوٹ لندن اور دبئی میں مہنگے داموں بیچا کرتیں تھیں۔اپنے شوہروں کے عہدوں سے فائدہ اٹھا کر،امیر ترین لوگوں کے سرکل میں کپڑے بیچنااور آمدنی میں اضافہ کرنا انسان کی ہوس کو ظاہر کرتا ہے۔

کمشنرز کی بیگمات کا دبئی اور لندن میں سوٹ کی فروخت،بظاہر یہ ایک چھوٹا سا واقعہ ہے جس کا بیان کشور ناہید کی یاداشت میں نظر آتا ہے۔آج کی سیاست میں بھی ایسے افعال ملتے ہیں بس ان افعال کی نوعیت تبدیل ہو چکی ہے، وقت اور زمانہ بدلتا گیا مگر سیاسی حکمرانوں کی سوچ نہ بدلی آج بھی ملک کو لوٹنے کی روایت صدیوں کی طرح جاری ہے۔

> جب تک لندن میں تھے تو احمد فراز اور افتخار عارف کی بڑی گاڑھی چھنتی تھی۔ایک دوسرے کے راز سنبھال کر رکھتے تھے اور کانوں میں باتیں کرتے تھے۔برا ہوا اسلام آباد جیسے گریڈوں کے شہر کا کہ دونوں میں گریڈ ۲۱ اور ۲۲ کی لڑائی ایسی پھیلی کہ کوئی ادیب بھی ان دونوں کو ایک ساتھ اپنے گھر نہیں بلانا چاہتا تھا کہ ورنہ بدمزگی ہو جائے گی۔[۳۰]

سیاسی احوال کے ساتھ ساتھ مصنفہ نے اردو ادب کے دو اہم مایہ ناز شخصیات احمد فراز اور افتخار عارف کی دوستی سے تکرار تک کا بیانیہ ملتا ہے۔ایک ادب سے شغف رکھنے والا قاری ان دونوں شخصیت کے نام اور کام سے بخوبی واقفیت رکھتا ہو۔ احمد فراز اور افتخار عارف ایک دوسرے کے بہترین دوست تھے۔جو بعد میں صرف اچھے عہدے اور گریڈ کی خاطر ایک دوسرے کے حریف بن گئے۔

اس دنیا کا ہر فرد بہتر سے بہترین کی تلاش کی جستجو رکھتا ہے۔جہاں ایک شخص کو زیادہ فائدہ اور مراعات ملیں وہاں وہ دوست تو کیا اپنے سگے رشتوں کو بھی بھول سکتا ہے۔ان دونوں ادیبوں کی لڑائی،ادبی دوست احباب میں ایسی پھیلی کہ کسی دعوت میں ان دونوں کی شرکت ایک ساتھ نہ دیکھنے میں آتی۔ان دونوں حضرات کو محفل میں ایک ساتھ بلانے کا مقصد اپنی محفل میں بدمزگی خود پیدا کرنے کے مترادف تھا،مگر یہاں یہ اس بات کا ذکر بھی ملتا ہے کہ فراز احمد کی قبر پر پھول چڑھانے والوں میں افتخار عارف کا نام سب سے پہلے ملتا تھا،یعنی افتخار عارف کے دل میں احمد فراز کے نرم گوشہ موجود تھا جس کا ذکر ان کے کبھی کسی تاثرات سے نہیں ہوا۔

احمد فراز کی خوش گفتاری اور خوش مزاجی کی تعریف کشور ناہید بھی کرتی تھیں مگر ان کی اس ساتھ خائف بھی رہتی تھیں جس کی وجہ احمد فراز کے یوسف کامران کو کہے جانے یہ الفاظ ہوا کرتے تھے "کشور کو اتنی اجازت کیوں دے رکھی ہے کہ یہ رات گئے تک دفتر میں کام کرتی ہے"[۳۱] دفتری ملازمین کا تلخ رویہ،لوگوں کی نقطہ چینی اور دوست احباب کے انہی مزاج کی بدولت کشور ناہید نے ازدواجی زندگی میں بہت سے مسائل کا سامنا کیا۔ آپ احمد فراز کو دوستی یاری میں بے وفا انسان کا لقب دیتی تھیں۔

> میں جوائنٹ سیکرٹری کے کمرے میں گئی۔پہلے تو ٹائی کی تعریف کی پھر پوچھا۔کیا آپ سوئمنگ کرتے رہے ہیں کہ آپ کی اتنی اچھی باڈی ہے۔"اس عرصے میں ان کا منہ سرخ ہو گیا اور میں اس دوران فائلیں تلاش کرتی گئی۔ ۳۲ے

۱۹۸۸ء بینظیر بھٹو کے اقتدار میں آنے کا وقت تھا اور اس دوران کشور ناہید کا عہدہ بھی "اردو سائنس بورڈ کا ڈائریکٹر" ہو گیا، عہدے کی تبدیلی اشفاق احمد کے لیے قابل قبول نہ ہوئی جس کی وجہ سے وہ کشور ناہید سے خائف رہنے لگے تھے۔ اسی دوران ایک جوائنٹ سیکرٹری سے فائلیں نکلوانے کشور ناہید کو سونپ دی گئی تھی جنہوں نے اپنی نفسیات کے استعمال سے تمام فائلز پر سائن کروا ڈالے۔ برصغیر پاک وہند کے معاشرے میں عورتوں کی طرح کچھ مردوں میں اپنی تعریف سن کر پھولے نہ سمانے کی خوبی بھی پائی جاتی ہے۔ عورت تعریف کرنے پر شرما جاتی ہے جب کہ مرد کی تعریف ایک عورت کے منہ سے سن کر وہ بڑے سے بڑے کام کرنے سے گریز نہیں کرتے۔ کشور ناہید نے بھی اسی طرح جوائنٹ سیکرٹری کی باڈی اور ٹائی کی تعریف کر کے فائلز پر سائن کروالیے۔ ایک صنف نازک بھی اپنے مقاصد کے تمام کاموں میں مرد کو بہکا سکتی ہے۔ یہاں اس بات کی نشاندہی ہوتی ہے کہ ایک عورت بھی اپنی نفسیات کا استعمال کر کے ایک کام نکلوانے پر قادر ہے۔

خواجہ شاہد پاکستان کے سفیر بنے ، انہی دنوں میں پاکستان میں ایک موسیقی کی تقریب منعقد کی گئی تھی ۔ جس تقریب کے لیے شالامار باغ کا میدان منتخب کیا گیا ہے، تقریب کے دوران کہیں سے یہ افواہ ملی کہ اس تقریب کو خودکشار بمباری کا نشانہ بنایا جائے گا جس کے باعث سیکرٹری اختر حسن خوف کا شکار ہو گئے مگر کشور ناہید کی دیدہ دلیری دیکھ وہ ان کے ساتھ بیٹھے اور پوری محفل رات بھر جاری رہے۔ اس واقعے کا بیان یہ ظاہر کرتا ہے کہ پاکستان کی ریاست جو زمانہ سے ان خودکشار بمباری کی لپیٹ میں ہے اس کا خوف ہر اس ہر انسان کے اندر تک پہنچ چکا ہے، ان خودکش بمباروں کی وجہ پاکستان کو عالم اقوام بالخصوص مغربی ممالک میں شک کی نظر سے دیکھا جاتا ہے۔

> ہر کوٹھے کا دروازہ کھلتا گیا۔ ڈھولکیاں بجتی اور گھنگھرو مچلتے گئے۔ ہم نے ہر سولہ سترہ سال کی لڑکی کا احوال پوچھا۔ یونیسکو کی نمائندہ چاہتی تھی کہ یہ سٹیج پہ آکر احوال سنائیں مگر ہر لڑکی نے کہا کہ ہمیں تو پرفارم کرنے کے لیے دوبئی جانا ہے۔ ۳۳ے

کشور ناہید یونیسکو چیف اور اپنے لاہور کے شاہی محلے میں جانے کا ذکر کرتی ہیں۔ لاہور کے شاہی محلے میں ان کے ساتھ دو سپاہی خواجہ شاہد یونیسکو چیف کی حفاظت پر لگا دیے گئے۔ لاہور کے شاہی محلے میں جانے کا مقصد چیف کی ملاقات کم سن لڑکیوں سے کروانا ہے جو اپنے پیروں میں گھنگھرو باندھے، ڈھولک کی تھاپ پر رقص کرنے کی کمال مہارت رکھتی تھیں وہ کم سن بچیاں ناچنے گانے کے لیے دبئی جانے کی خواہش مند تھیں۔ لاہور کے شاہی اور اندرون

محلوں میں رہنے والی لڑکیوں کو اپنی مجبوریوں کے ساتھ جینا پڑتا ہے، ان بچیوں کی آنکھوں میں ناچنے گانے کے خواب بن دیے جاتے ہیں۔

> بسنت کے زمانے میں میں قیمے والے نان اور دہی کے کونڈوں کے علاوہ، تھال بھر گجریلا، پورے خاندان کامل کر کھانے کا تجربہ ہوا، قزلباش حویلی سے ذوالجناح کا جلوس نکلنے اور جلوس سے پہلے مجلس عزا سننے کا سلیقہ بھی آیا۔ عید کے دنوں میں خاص کر چاند رات کو بچوں کے لیے سلیم شاہی کھسے خریدنے کا لطف بھی آیا۔ [۳۴]

بسنت تہوار منانے کا ذکر کیا گیا، کشور ناہید بسنت تہوار کو بڑے جوش و منایا کرتیں تھی۔ اس تہوار کے نام سے بہت سے قاری واقف ہیں لیکن اس تہوار کے پس منظر سے ہر قاری واقفیت نہیں رکھتا۔ بسنت تہوار کی تاریخی حیثیت سے آگاہی بھی قاری کے لیے لفظوں کے ٹھیک ٹھیک معانی تک رسائی حاصل کرنے کا ذریعہ ہے، بسنت کا لفظ سنسکرت زبان کا لفظ ہے جو "بہار" کے معنوں میں استعمال ہوتا ہے۔ ہماری پاکستانی ثقافت میں یہ تہوار پتنگ بازی کے طور پر بہت جوش سے منایا جاتا ہے، بالخصوص شہر لاہور کے باسیوں کا اس تہوار پر جوش قابل دید ہوتا ہے۔ بسنت کا تہوار فروری کے مہینے میں منایا جاتا ہے۔

اس تہوار کی حقیقت ہندو مذہب سے جڑی ہے، وید جو کہ ہندوؤں کی مقدس کتاب ہے اس کتاب میں بسنت کو "سرسوتی دیوی" کا دن کہا جاتا ہے۔ یہ دن خوشی کا دن ہے اسے جڑی ہے، وید جو کہ ہندوؤں کی مقدس کتاب ہے اس کتاب میں بسنت کو "سرسوتی دیوی" کا دن کہا جاتا ہے۔ یہ دن خوشی کا دن ہے اور اس دن سرسوتی دیوی کے لیے پوجا پاٹ کی جاتی ہے۔ "پاک و ہند میں یہ تہوار پنجاب کی ریاستوں میں منایا جاتا ہے اس تہوار کی ایک تاریخی حیثیت یہ بھی بتائی جاتی ہے کہ یہ تہوار "موسم بہار" کو خوش آمدید کرنے کے لیے منایا جاتا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ بسنت موسمی تہوار نہیں ہے بلکہ یہ ہندو مذہب کی ثقافت ہے، جب کہ ہم نے اس تہوار کو اپنی ثقافت میں شامل کر لیا ہے۔ ہمارے مذہب میں اس قسم کے تہوار کی کوئی شہادت موجود نہیں اس لیے اس تہوار کو پاکستانی ثقافت میں شامل نہیں کیا جا سکتا۔ کیوں کہ مذہب اور ثقافت ایک دوسرے پر گہرے اثر پذیر ہوتے ہیں۔

> پروین شاکر مجھ سے عمر میں چھوٹی اور شاعری میں بڑی تھی۔ مزاج میں اتنی ملائمت تھی کہ میری جیسی اکھڑ عورت بھی جھلا جاتی تھی، شعر میں رومانیت پر ہمارے سارے مرد بالخصوص لکھاری تو اس مشرقیت پر فدا ہوئے جاتے تھے۔ [۳۵]

مصنفہ اپنی ایک ہم عصر شاعرہ پروین شاکر کا ذکر کرتی ہیں جن کی کلام کی ملائمت اور منفرد سے کشور ناہید متاثر ہوتی نظر آتی ہیں۔ پروین شاکر کے نام سے اردو ادب کا ہے قاری واقف ہے جو اپنے منفرد لب و لہجہ اور اپنے

نظریات کی عکاسی کی بدولت بہت کم وقت میں اچھانام کماچکی تھیں۔ کشور ناہید بھی پروین شاکر کی اس خوبی کا اعتراف کرتی ہیں پروین شاکر مجھ سے عمر میں چھوٹی ہی سہی مگر شاعری میں ان کا رتبہ اور مقام بہت بلند ہے۔ ان جملوں کے بیان سے کشور ناہید کا بڑاپن نظر آتا ہے۔ اردو ادب کی دنیا میں بہت کم ایسے جملے پڑھنے اور سننے کو ملتے ہیں جہاں ایک شاعرہ دوسری شاعرہ کی تعریف کھلے دل سے کرتی ہیں۔

دونوں شعراء میں یہ قدر مشترک ہے کہ دونوں کی جذباتی کیفیت اور فکری منزل ایک ہی ہے۔ مگر اپنی جذباتی کیفیت کے اظہار کے لیے اپنائی جانے والی راہ مختلف تھی۔ کشور ناہید کے لب ولہجے میں سختی کا عنصر نمایاں ہوتا ہے جب کہ پروین شاکر رومانوی انداز میں اپنے موضوعات کا بیان کرتی ہیں ان کے ہاں مذامت بھی بہت دھیمے نرم لہجے میں ملتی ہے۔

ہاں مجھے نہیں پروا
اب کسی اندھیرے کی
آنے والی راتوں کے
سب اداس رستوں پر
اک چاند، روشن ہے
تیری موہنی صورت [۳۶]

ان کے مزاج میں ملائمت اور رومانویت اس قدر تھی کہ مشرقی مرد بھی ان کی اس ادا پر فدا تھے۔ انھوں نے شعری روایت کو الگ طرح کے مزاج سے روشناس کروایا جو کسی اور شاعرہ کے ہاں نظر نہیں آتا۔ اس پورے اقتباس سے کشور ناہید کا پروین شاکر سے لگاو اور ادب میں ان کی کمی اور خالی پن کی اہمیت کے معانی واضح ہوتے ہیں۔

کشور ناہید اپنے دوست احباب کے ساتھ بیتے ہوئے لمحوں کا ذکر بھی کرتیں ہیں۔ ان کے اکثر و بیشتر دوست ادبی حلقوں سے ہوا کرتے تھے۔ ان کے دوستوں میں رشید امجد، منشاء یاد، اعجاز راہی، حسن رضا، ضمیر نفیس، منصور قیصر اور حسن عباس کے نام قابل نمایاں ہیں۔ آپ ادبی دنیا کا ایک سرگرم رکن تھیں اورادبی محفلوں میں آپ کی شرکت لازمی بات تھی، آپ نے اپنی یاداشت میں "حلقہ ارباب ذوق" کی ایک محفل کا ذکر کیا ہے، حلقہ ارباب ذوق کی نوعیت اور مقاصد کا علم ایک ادبی قاری بخوبی رکھتا ہے۔ یہ تحریک ہمارے ادبی دنیا میں 'ادب برائے ادب" کا نعرہ بلند کرتی رہی، اس تحریک کے مقاصد میں نوجوان لکھاری کی حوصلہ افزائی اور اردو زبان کی ترویج واشاعت تھا۔ ان تمام واقعات کا یاداشت میں ذکر اپنے بیتے لمحوں اور اپنے دوست احباب کے ساتھ گذرے وقت کی نشاندہی کرنا ہے۔

شیز ان کو نٹی نینٹل میں ہونے والی ترقی پسند مصنفین کے محفلوں کی ایک ہلکی سے جھلک کشور ناہید کی اس یاداشت میں ملتا ہے، شیز ان کو نٹی نینٹل لاہور مال روڈ پر واقع ایک ریستوران ہے جہاں ترقی پسند ادباء اپنی مجلسیں کیا کرتے تھے۔ کشور ناہید اور ان کے احباب اس ہوٹل کے باہر کھڑے ہو کر گپ شپ کرتے اور ارد گرد لوگوں کی حرکات و سکنات کا مشاہدہ کر کے وقت گزاری کرتے، یہاں "انجمن ترقی پسند تحریک "کا ذکر کیا گیا ہے۔ جس سے کشور ناہید عام قاری شاید واقفیت نہ رکھتا ہو، ترقی پسند لکھاریوں کا رفکری زوایہ، حلقہ ارباب ذوق کے لکھاریوں سے مختلف تھا۔ یہ تحریک روس میں انقلاب کے نتیجے میں پاکستان میں شروع کی گئی، اس تحریک کے اغراض و مقاصد میں بھوک، افلاس، غربت، سماجی، سیاسی پستی جیسی بیماریوں کو اپنی تحریروں کا موضوع بنایا، یہ تحریک حقیقت نگاری پر مبنی تحریک تھی۔

ترقی پسند تحریک کے روح رواں ملک راج آنند اور سجاد ظہیر تھے۔ جو اس وقت لندن میں مقیم تھے، لندن میں اس طرح کی تحریکیں منظر عام پر آچکی تھیں۔ پاکستان آنے کے بعد سجاد ظہیر نے باقاعدہ اس تحریک کی بنیاد رکھی جس کے لکھنے والوں میں سر فہرست پریم چند کا نام شامل ہے۔

کشور ناہید نے وزیر اعظم بینظیر بھٹو کی ذاتی زندگی متعلق بیان کیا گیا ہے جس کے پیچھے ایک وزیر اعظم خاتون کا کی حالات زندگی کا کلامیہ ملتا ہے۔ ایک عورت چاہیے وہ گھریلو ہو یا وزیر اعظم وہ اپنے گھر میں ایک ماں، بہن، بیوی اور بیٹی کا کردار نبھاتی ہے۔ وہ اپنی پروفیشل زندگی کے ساتھ ساتھ اپنی ذاتی زندگی کو بھی بخوبی نبھاتی ہے۔ یہاں ان اقتباسات میں بینظیر کے دنوں کا تذکرہ ملتا ہے جب ان کے دل عزیز بھائی مرتضی بھٹو کا بے دردی سے قتل کیا گیا یہ واقعہ پاکستانی سیاسی تاریخ میں اتنا خوفناک ہے کہ کشور ناہید کے الفاظ پڑھ کر قاری کے رونگھٹے کھڑے ہو جاتے ہیں

-

مرتضیٰ بھٹو کے قتل کی اس واردات کے بعد بیگم بھٹو اور بینظیر بھٹو نے صبر و تحمل کا مظاہرہ کیا، پاکستانی کی پہلی خاتون وزیر اعظم جو ملکی معاملات میں شیرنی کی طرح بولتی تھیں۔ اپنی ذاتی زندگی میں بہت مختلف تھیں۔ وہ اپنے ساتھ داتی زندگی میں اپنے ساتھ ہونے والی ذیادتیوں پر صبر سے کام لیتیں۔

> مگر شام ۴ بجے دفتر کے اوقات ختم ہونے کے بعد وہ دوپٹہ ایک طرف پھینک کر صوفے پر آلتی پالتی مار کر بیٹھ جاتی تھیں، جب موقع ملتا بچوں کو خود پڑھاتی تھیں اور جیل جاتے ہوئے کہ آصف کو ملنے جانا ہے، بے نظیر باہر پتھر پر بیٹھ کر ملاقات کے وقت کا انتظار کرتیں۔[۳۷]

دفتری اوقات ختم ہونے کے بعد وہ گھر میں ایک عام عورت جیسی تھیں۔ اپنے بچوں کے ساتھ وقت گزارا کرتی تھیں وہ اپنے بچوں کو خود پڑھایا کرتیں۔ آصف زاداری سے جیل ملاقات کے لیے باہر بیٹھ کر انتظار کیا کرتیں

جیسے ہمارے معاشرے کا ایک عام فرد کرتا ہے۔ وہ بیوی، ماں، بیٹی کے تمام حقوق اسی طرح پورے کرتیں جیسے پاک وہند کی ایک عام عورت کرتی ہے۔

> نوکریاں بانٹنے کا کام بیگم بھٹو اور پیر علی محمد راشدی نے بھی خوب کیا۔ ایک خاتون نیلوفر عباسی نے ٹی وی کے ڈرامے میں کام کیا۔ بیگم بھٹو کو پسند بھی آگیا۔ انہوں نے اسے کراچی نیشنل سنٹر کی ڈایکٹر شپ دے دی۔ مختار اعوان نے ایک خاتون سے شادی کی، اس کو انعام کے طور پر نیشنل سینٹر کی ڈایکٹر شپ دے دی۔ [۳۸]

وزیر اعظم بھٹو کے دور حکومت میں بیگم بھٹو اور پیر علی راشدی کا غیر منصفانہ روایے کی عکاسی کی گئی ہے۔ بیگم بھٹو اور راشدی صاحب نے اپنے عہدوں کا ناجائز استعمال کیا، سرکاری نشست نگاہوں پر اپنے من پسند بندوں کو بنا کسی میرٹ کے لگا دیا گیا صرف اس وجہ سے کہ ان شخصیات کا کوئی نہ کوئی روایہ انھیں پسند آجاتا اور سرکاری نوکریاں انہیں تحفے میں دے دی جاتیں وہ نوکریاں جن کے لیے پاکستان کی عوام سالوں سال محنت کرتی ہے۔ وہ محض ذاتی پسند کی بناء پر بانٹ دی جاتی ہیں، بھٹو کی حکومت میں پیش آنے والا یہ روایہ قابل مذمت ہے۔ ایک جمہوری ملک میں اس طرح کے اقدام عوامی انتشار کا باعث بنتے ہیں۔

پاکستان میں منظر عام پر آنے والی سب حکومتوں نے وقتاً فوقتاً سرکاری سیٹوں اور نوکریوں کو بیچا ہے یہ حالات آج بھی اسی طرح سے ہی نظر آتے ہیں جہاں پاکستان کا ایک پڑھالکھا جوان نوکری کے حصول کے لیے دربدر پھرتا ہے اور سرکاری نوکریوں اور ایوانوں پر میٹرک پاس بندوں کو لگا دیا جاتا ہے۔

بھٹو کے دور حکومت ۱۹۷۱ء میں کھر صاحب پنجاب کے گورنر تھے، جب کہ ایک صاحب جن کی شاخت کشور ناہید کی یاداشت میں خفیہ رکھی گئی، ان صاحب کو وزیر اطلاعات کا عہدہ سونپ دیا گیا۔ جب بھٹو صاحب ملکی دورے سے واپس ائرپورٹ پر اترے تو ان کا پہلا سوال یہ تھا کہ مخبریں کی خبریں آپ تک پہنچاؤ یا کھر صاحب تک انہی صاحب کا ایک اور واقعہ فائلوں ہر "س" کا لفظ لکھ کر بھیج دینا ہے۔

حکومت میں اس قسم کی وزراء کی موجودگی سے ملکی حالات میں بہتری کی توقع کیسے کی جاسکتی ہے۔ بھٹو کے دور حکومت میں جب قومی و سرکاری ملکیت کے عہدوں پر اپنی پسند کے بیٹھا دیا جائے۔ تو وزارت میں ایسے ہی بے وقوف وزیروں سے واسطہ پڑے گا، جب سرکاری عہدوں کو مفت میں بانٹا جائے تو ملک و قومیں ایسے ہی خسارے میں جاتی ہیں جیسے آج ہمارا ملک پاکستان خسارے میں ہے۔

صحافت میں میرے ہیرو دو اشخاص تھے اور اب تک ہیں۔ نثار احمد اور منہاج برنا۔ سرکار کی کوشش ہوتی تھی ان کو دعوت پر بلائیں۔ جب وہ آمرانہ حکومت پر تنقید کرتے تھے تو جیل جانا ان کی عادت بن گئی تھی۔ [۳۹]

کشور ناہید نے صحافت کے میدان کی دو اشخاص نثار عثمانی اور منہاج برنا کو اپنا ہیرو کہا ہے۔ یہ دونوں حضرات آمرانہ طرز حکومت کے شدید مخالف تھے، بھٹو کی حکومت کے دوران وہ آمرانہ طرز حکومت پر کھلی تنقید کیا کرتے۔ جس کی وجہ انھیں اکثر جیل جانا پڑتا۔ اس اقتباس میں استعمال کیے گئے لفظ "آمرانہ "صفت نسبتی ہے، جس کے معانی "حاکمانہ" کے ہیں۔ اس لفظ کا سب سے پہلے استعمال چینگیز کے لیے ہوا۔ پاکستان کی سیاسی تاریخ میں بھٹو کی حکومت میں آمرانہ طرز عمل اختیار کیے رکھا۔ بھٹو کی حکومت کو برنا صاحب کی بیوی کو علاج کے لیے باہر بھیجا گیا، برنا صاحب کی بیوی کو علاج کے باہر بھیجنا اور برنا صاحب کو آسٹریا لگانے کا مطلب واضح ہے کہ برنا صاحب اور ان کے اہل خانہ کو حکومت کی طرف سے خاص مراعات دی جاتیں رہیں۔

کشور ناہید کی نظر دفتری اور سیاسی حالات کے ساتھ ساتھ غیر ملکی صورت حال پر گہری تھی، جس کی وجہ پاکستانی معاشرے کی عوام بے چینی میں مبتلا رہی۔ ان کی یادداشت میں "نہر سویز" کے واقعے کا اشارہ ملتا ہے۔ جہاں نہر سویز پر قبضہ ہوتے ہی پاکستان کے طلبات نے مذمتی جلوس نکالے، نہر سویز ملک مصر کی بہت پرانی نہر ہے جو دو بڑے سمندوں بحرہ روم اور بحرہ قلزم کو آپس میں ملاتی ہے۔ پہلے پہل یہ نہر امریکہ، برطانیہ اور فرانس کے قبضے میں تھی، مگر بعد میں مصر کے صدر جمال عبد الناصر نے اسے قومی ملکیت میں لے لیا جس کی وجہ فرانس برطانیہ اور امریکہ نے نہر پر قبضے کے لیے جنگ شروع کر دی مگر مغربی ممالک کو ناکامی کا منہ دیکھنا پڑا، عرب اور مصر نے مل کر اس نہر کا کنٹرول اپنے قبضے میں واپس لے لیا۔ یہاں اس بات کی وضاحت ہوتی ہے اگر دو چھوٹے ممالک مل کر مغربی اقوام کے خلاف کھڑے ہوں تو وہ کوئی بھی جنگ جیت سکتے ہیں۔" جب نہر سویز پر قبضہ ہوا، جنرل ناصر کی حمایت میں ہم کالج والے لڑکوں اور لڑکیوں نے بھی جلوس نکالے تھے۔" [۴۰]

ان کی اس یادداشت میں ملک اسپین کے تفریحی دورے کا ذکر ملتا ہے، جہاں مسلمانوں کے عروج کی آٹھ سو سالہ تاریخ کے آثار الحمراء اور قرطبہ کی صورت میں نظر آتے ہیں، کشور ناہید بھی ان تعمیرات کو دیکھنے کی خواہش مند تھیں۔ مسجد قرطبہ اور الحمرا اسے ہر مسلمان کی جذباتی وابستگی ہے۔ کشور ناہید کا قاری اسلامی تہذیب و تمدن سے تعلق رکھنے والا قاری ان تعمیرات سے ایک دلی وابستگی رکھتا ہے، مسجد قرطبہ اور قصر الحمرا کو مسلم تاریخ کی فتوحات کی بدولت اسپین میں تعمیر کیا گیا، مسجد قرطبہ کے عنوان سے ہمارے قومی شاعر اقبال نے ایک نظم لکھی۔ علامہ اقبال نے

یہ نظم مسجد قرطبہ کے نام سے لکھی، جو اقبال کے مجموعے "بال جبریل" میں شامل ہے۔ جس کے چند مصرعے کچھ یوں ہیں:

اے حرم قرطبہ عشق سے تیرا وجود
عشق سراپا دوام جس میں نہیں رفت و بود
رنگ ہو یا خشت و سنگ چنگ ہو یا حرف و صوت
معجزہ فن کی ہے خون جگر سے نمود
قطرہ خون جگر سِل کو بناتا ہے دل
خون جگر سے صدا سوز و سرور سرور [۴۱]

اسپین (ہسپانیہ) میں مسلمانوں کی حکومت آٹھ سو سال تک قائم رہی۔ ان آٹھ سو سالوں میں بے شمار تعمیرات کی گئی مسجد قرطبہ اور الحمرا بھی اسی دور میں تعمیر کی گئی۔ عرب قوم جب بھی کسی ملک پر فاتح بن کر جاتے ہیں اس ملک کی پرانی تہذیب کو رد کر کے ایک نئے تہذیب کی نمود کی جاتی ہے۔ عرب قوم نے اندلس پر جب حملہ کیا تو اانھوں نے اسپین میں نئی ثقافت کو جنم دیا۔ جس سے ایک نیاء معاشرہ وجود میں آیا۔

اسپین (غرناطہ) کی پہاڑی پر الحمراء محل کو سرخ پتھروں سے بنایا گیا اسی وجہ سے اس محل کو الحمراء کا نام دیا گیا اسپین میں مسلمانوں کی تاریخی یادگار خاصی شہرت کی حامل ہیں۔ کسی بھی ریاست سے تعلق رکھنے والا مسلمان جب اسپین میں جاتا ہے ان دونوں تعمیرات کو دیکھے بنا نہیں رہ سکتا۔ ان تعمیرات کی خوبصورتی انسان کو اپنے سحر میں جکڑ دیتی ہے۔ آٹھویں صدی عیسویں سے لے کر پندرھویں صدی عیسویں تک مسلمانوں کی تعمیرات اور فتوحات کا زبردست دور ہے۔ جسے اسلامی تاریخ میں رہتی دنیا تک ہمیشہ یاد رکھا جائے گا

مصر جاؤ اور اہرام مصر نہ دیکھو، یہ تو ممکن ہی نہیں۔ وہاں روزانہ لائٹ اینڈ ساؤنڈ شو ہوتا ہے۔ سات ہزار سال پرانی تہذیب کے اوائل کے زمانے کی داستان سناتی جاتی ہے۔ [۴۲]

کشور ناہید نے اسپین کے تفریحی دورے کے بعد مصر کے دورے کا ذکر بھی ملتا ہے۔ مصر کی سب سے اہم جگہ اہرام مصر ہے۔ جو اپنی طرز کا دلفریب اور دلچسپ نمونہ ہے۔ اہرام مصر کو بعض لوگ دنیا کے سات قدیم عجوبوں میں سے ایک عجوبہ تصور کرتے ہیں۔ اہرام مصر ایک ایسا حیرت انگیز مقام ہے کہ جیسے دیکھنے والا دنگ رہ جاتا ہے ا ہرام مصر کی تعمیر میں کئی سائنسی راز پوشیدہ ہیں۔ جنہیں انسانی عقل تسلیم نہیں کر سکتی۔ اس عجوبے کی تاریخ کے بارے میں طرح طرح کی کہانیاں مشہور ہیں۔ بعض لوگ یہ خیال کرتے ہیں کہ ان اہراموں کی تعمیر خلائی مخلوق نے کی، جب کہ بعض ماہرین اس پیشن گوئی کو رد کرتے ہیں۔

اہرام مصر کی تحقیق میں کئی انسانی ڈھانچے دریافت کیے گئے جو اس بات کا ثبوت دیتے ہیں کہ اس کی تعمیر انسانی ہاتھوں سے ہی قرار پائی ہے مگر ابھی تک کی تعمیر کے بارے میں کوئی حتمی رائے قائم نہیں کی جاسکتی۔اس کی تعمیر سات ہزار سالہ پرانی تہذیب کا عکس پیش کرتی ہے۔کشور ناہید بھی اپنی یاداشت میں اس کی تعمیر کو انسانی کارنامہ بتاتی ہیں۔

> آسٹریلیاں میں سڈنی آپیرا ہاوس کو دیکھنے کے لیے ہر روز ہزاروں لوگ آتے ہیں۔میں چوں کہ ڈی۔جی۔پی۔این۔سی۔اے کی حیثیت سے گئی تھی۔مجھے آپیرا ہاؤس کے تمام سیکشن دیکھائے گئے۔میوزک،ڈانس، گانااور تھیٹر پرفارمنس سیکھنے والے لوگوں سے ملاقات کی۔ [۴۳]

متذکرہ باب میں سڈنی آپیرا ہاوس کے تفریحی دورے کا ذکر بھی ملتا ہے۔آپیرا ہاوس آسٹریلیاں کے شہر سڈنی کے شمال میں واقع ہے۔کشور ناہید کا یہ دورہ سرکاری دورہ تھا جس کی وجہ سے انہیں آپیرا ہاوس کے اندر جانے کی اجازت باآسانی مل گئی۔سڈنی آپیرا ہاوس اپنے ملک کی تہذیب و ثقافت کو زندہ رکھے ہوئے ہے۔اس کا شمار نہ صرف اپنے ملک کی مخصوص عمارتوں میں ہوتا ہے بلکہ دنیا بھر میں اس عمارت کی اپنی ایک الگ خصوصیت ہے۔ جس کا ذکر کشور ناہید کی نوٹ بک میں ملتا ہے۔

آسٹریلیاں کے شہر سڈنی میں بنی یہ عمارت اپنے جدید ڈیزائن کی وجہ سے دنیا بھر کے سیاحوں کے لیے کشش کا باعث ہے۔اس عمارت کے اندرونی حصوں میں میوزک،ڈانس، گانااور تھیٹر سیکھانے کے لیے باقاعدگی سے کلاسز ہوتی ہیں ۔سڈنی کے ساحل پر واقع یہ عمارت اپنی موسیقی کی تہذیب و ثقافت کو زندہ رکھے ہوئے ہے۔ سڈنی آسٹریلیاں کا جدید ترین شہر ہے اس کے برعکس ابروجینل آسٹریلیاں کا قدیم ترین شہر ہے۔کشور ناہید کی ملاقات ابروجینل کے آرٹسٹوں سے بھی ہوئی جو اپنی پینٹنگز کے حوالے سے مشہور ہے۔یہ ایک دلچسپ بات ہے کہ اس علاقے کی موسیقی اور فنون لطیفہ جدید سڈنی کی وموسیقی سے مختلف ہے۔سرکاری دوروں کے دوران کشور ناہید نے بہت ممالک کی تہذیب کا بغور مشاہدہ کیا۔

> ان ساری کیفیات کو لکھتے وقت مجھے جاپان میں ہیروشیماء، اٹلی میں پو مپیائی کی تباہی کا منظر نہیں بھولتاہے۔ہیروشیماء میوزیم کو دیکھ کرتو کیااب توسوچ کر بھی رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں۔ [۴۴]

جاپان کے شہر ہیروشیمااور اٹلی پو مپیائی کی تباہی کے مناظر سے ہر قاری واقف ہے۔ان دونوں شہروں کی تباہی اور ان کا بیان کسی بھی سماج اور مذہب سے تعلق رکھنے والے قاری کے دل پر چوٹ کرتی ہے۔ان دونوں شہروں میں ہونے والی ہولناک تباہی کا ذکر تاریخ کی کتابوں میں ملتا ہے۔کشور ناہید کا قاری بھی ہیروشیمااور پو مپیائی کی تباہی

کے وہ جذبات رکھتا ہے جو کشور ناہید رکھتی ہیں۔ دوسری جنگ عظیم کے دوران امریکا نے انتہائی شرمناک حرکت کی اور جاپان کے شہر ہیروشیماء پر بمباری کی جس کی وجہ سے دولاکھ سے زائد انسان مارے گئے اور دیکھتے ہی دیکھتے پورا شہر قبرستان بن گیا۔ دوسری جنگ عظیم سے لے کر اب تک اس عالمگیر جنگ کی تباہی کی تباہی کو یاد کیا جاتا ہے۔ اس جنگ میں متاثر ہونے والوں کے ہر انسان اشکبار ہے۔ اس دن کی تاریخ دنیا کی تاریخ میں سیاہ دن کہا جاتا ہے۔ دنیا کی تاریخ میں ہونے والے اس بدترین واقعے نے پوری انسانیت کی دیواروں کو ہلا کر رکھ دیا۔

ہیروشیماء کی یہ تباہی دیکھنے کے بعد پومپیائی کی تباہی کے اثرات کا ذکر ملتا ہے۔ پومپیائی کی تاریخ سے کشور ناہید کے بہت سے قاری ناواقف ہیں۔ پومپیائی اٹلی کا ایک قدیم ترین شہر ہے جو ۱۷۵۵ء میں اس شہر کا مقام دریافت ہوا، اور انیسویں صدی میں میں کھنڈرات اور انسانی ڈھانچوں کی جانچ کی گئی۔

یہ شہر ۷۹ صدی عیسویں میں ویسو ویئس پہاڑ کا لاوہ پھٹنے سے دب کر رہ گیا۔ انیسویں صدی عیسویں میں ہونے والی تحقیقات کے بعد بتا چلا اس شہر میں اہل روم کی زندگی کے آثار پائے جاتے ہیں، پومپیائی اپنی صدی کا جدید ترین شہر تھا۔[۴۵] جس کی تباہی دل دہلا دینے والا واقعہ ہے۔ کشور ناہید کی آپ بیتی میں ان دونوں شہروں کی تباہی کا ذکر ملتا ہے، مگر ایک عام قاری کے لیے ان کے آپس منظر کو سمجھنا بھی ضروری ہے۔

پیرس کے تفریحی دورے کے دوران مونالیزا کی تصویر کو دیکھنے کا موقع ملا۔ مونالیزا کی تاریخی حیثیت اٹلی سے وابستہ ہے۔ مونالیزا کی پینٹنگ کو آج سے تقریباً پانچ صدیاں پہلے ایک آرٹسٹ لیورڈونا نے بنایا تھا۔ اس تصویر کو دنیا کی سب سے خوب صورت ترین تصویر مانا جاتا ہے، اس پینٹنگ کو ہر سال لاکھوں کی تعداد میں سیاح دیکھنے جاتے ہیں، جب کہ اس پینٹنگ کی مالیت ۶۰ ہزار ڈالر ہے۔[۴۶] لیورڈونا نے اپنی اس پینٹنگ میں ایک یورپی لڑکی کو دیکھایا ہے، یہ لڑکی کون ہے؟ اس سوال کا جواب ابھی تک ایک معمہ ہے۔ یہ پینٹنگ ایسا شاہکار ہے جس کے سحر سے آج تک دنیا باہر نہ نکل سکی۔ کشور ناہید بھی اسی سحر کا ذکر اپنی یاداشت میں کرتی ہیں، مونالیزا کی آنکھیں پیچھا کرتی ہیں۔ اس شاہکار کے سحر کشور ناہید کا قاری بھی نظر آتا ہے۔

اسی شہر میں قیام کے دوارن کشور ناہید ناہید نے شانزلیزا کے کیفے میں چائے پینے کا ذکر کیا یہ وہ جگہ تھی جہاں ، ژاں پال سارتی چائے پیا کرتے تھے اس کیفے میں چائے پینے کا بیان سارتر کے وقت کی یاد تازہ کرنے کے برابر ہے ، ژاں پال سارتر پیرس کے ایک فلسفی تھے، سارتر نے عوام کو کامل آزادی کا فلسفہ دیا، وہ مارکسزم کی تحریک کے حامیوں میں سے تھے۔ سارتر وجودیت کی بانیوں میں سے تھے۔

> جب نیلسن منڈیلا، اسیری کے ۲۷ برس بعد رہا ہوئے تو میں نے ساری رات جاگ کر وہ منظر دیکھا۔ پاکستان میں جنوبی افریقہ کے سفیر کے ذریعہ ان کو وہ نظم بھجوائی۔ تشکر کے طور پر مجھ

شتر مرغ کا انڈا پینٹ کیا ہوا اور خاص سوکھے پھولوں کا گلاستہ بھیجا گیا۔[۴۷]

کشور ناہید کی آپ بیتی میں جنوبی افریقہ کے صدر منڈیلا کے ۲۷ سال بعد رہائی پر خوشی کا اظہار ملتا ہے، جہاں وہ افریقہ کے سفیر کے ہاتھ نیلسن منڈیلا کے لیے ایک نظم بھجواتی ہیں، کشور ناہید نے اس نظم کا ذکر اپنی آپ بیتی میں کہیں نہیں کیا۔ جو قاری کے ذہن پر ایک سوال چھوڑ جاتا ہے، نیلسن منڈیلا جنوبی افریقہ کے پہلے جمہوری منتخب صدر تھے جنہوں نے ۱۹۹۴ء سے ۱۹۹۹ء تک حکومت کی۔ آپ نسلی امتیازات کے شدید مخالف تھے، آپ افریقی نیشنل کانفریس کے سربراہ بھی رہ چکے ہیں۔ جنوبی افریقہ کی عدالتوں نے انھیں مختلف جرائم کے الزام میں ۲۷ سال قید کی سزا سنادی۔ ۲۷ سال بعد رہا ہونے پر نیلسن منڈیلا نے تمام سیاسی سرگرمیاں ترک کر دیں۔ نسلی امتیازات کے خاتمے میں نیلسن منڈیلا کا بہت بڑا کردار ہے۔ جس کی بدولت نیلسن منڈیلا کو پوری دنیا میں کافی پذیرائی ملی۔ کشور ناہید کی بھجوائی گئی نظم کو نیلسن منڈیلا نے قبول کیا بطور تحفہ شتر مرغ کا پینٹ کیا ہوا انڈا اور پھولوں کا گلدستہ بھیجا۔

یکم مئی یعنی مزدوروں کا دن اور وہ بھی ضیاء الحق کے زمانے میں، پاک ٹی ہاوس میں ایسے منایا جاتا کہ جس جگہ جو کرسیاں رکھی ہیں، وہ وہیں رہیں، ہر میز پر چائے کے برتن رہیں اور ہر بولنے والا شخص اپنی جگہ سے بیٹھے بیٹھے اونچی آواز میں بولے۔[۴۸]

ضیاء الحق کے دور حکومت میں کشور ناہید مزدروں کے عالمی دن (یکم مئی) کو منانے کی منظر نگاری پیش کرتی ہیں۔ مزدروں کے اس عالمی دن کو ایک کے فن کے طور پر لیا جاتا ہے، اس دن کو کسی مفید کام میں لگانے کے بجائے پاک ٹی ہاوس میں، کرسیاں بچھا کر، چائے نوش فرما کر اور اپنی نشستوں پر ہی گفتگو کر کے منایا جاتا۔ اس دن کو منانے کے لیے خاص طور پر اقبال بانو کو گانے کے لیے مدعو کیا جاتا، وہ بھی اپنی نشست پر بیٹھے بیٹھے گانا گایا کرتیں تھیں۔ ان کا یہ گانا "لازم ہے کہ ہم بھی دیکھیں گے" پوری تقریب کے سامعین بغور سماعت فرماتے۔ یہ نظم فیض احمد فیض کے ہے جس کو اقبال بانو یکم مئی کی تقریب میں گایا کرتیں۔ ان کی یہ نظم انقلاب کے دنوں میں لکھی گئی۔

اس دن کی عالمی تاریخ کے مطابق اس دن کو منانے کا مقصد شکاگو (امریکہ) سے شروع ہونے والی محنت کش طبقے کی یاد دہانی ہے۔ یہ تحریک ۱۸۸۴ء میں امریکا کے سرمایہ دارانہ طبقے کے خلاف نمودار ہوئی امریکا میں اس تحریک کو دبانے کی بہت کوشش کی گئی، مگر اس کے باوجود اس محنت کش طبقے کا حوصلہ اور ہمت کم نہ ہوا، کھیت کھلیان، کارخانوں، بھٹوں، کانوں میں جلنے والے اور مزدور کے مطالبات میں آٹھ گھنٹے کام کرنا تھا، اور اس احتجاج اور ہڑتالوں کے سبب مزدور طبقے نے آخر کار اپنے مطالبات منوا لیے۔ یکم مئی اس دن کی یادگار کے طور پر دنیا بھر میں مختلف ریلیوں کا انعقاد کیا جاتا ہے۔

ضیاء الحق کے دور میں اس تقریب کو منانے کی منظر نگاری غیر لسانی سر گرمیوں سے واضح کی ہے۔ ہمارے ملک کے سیاست دان اس دن کو محض کچھ گھنٹوں کی تفریح کا سامان سمجھتے ہیں۔ ایک بے مقصد چھوٹی سی تقریب میں گفتگو اور اقبال بانو کے گانے سے خود کو محظوظ کیا جاتا ہے۔ دور جدید میں یکم مئی کو پورے ملک میں چھٹی کا اعلان کیا جاتا ہے مگر محنت کش طبقہ اسی طرح سڑکوں پر، عمارتوں پر کام سیمنٹ اور مٹی اٹھاتے نظر آتا ہے۔ اس دن کی مناسبت سے ٹی وی پر چھوٹے موٹے پروگرام ترتیب دیے جاتے ہیں جن میں چند ایک سیاسی شخصیات کچھ منٹ کی پر جوش تقاریر سے خود کو اس طبقے کا حمایتی ثابت کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ جب کہ اس تحریک کا اصل مقصد پاک وہند کے معاشرے میں مزدور کو ان کا جائز مقام، حقوق اور عزت دینا ہے۔

جنرل ضیاء الحق کے مارشل لاء میں مزاحمتی ادب ڈھکے چھپے انداز میں لکھا تو جاتا رہا۔ مگر سنسر شپ سے پاس کروانے کے بعد تحریروں کو شائع کرنے کی اجازت دی جاتی۔ بھٹو صاحب ان دنوں جیل میں تھے انھوں نے کشور ناہید اور عبد اللہ ملک کو پیغام بھجوایا کہ بھٹو پر لکھی جانے والی تمام تحریروں کو ایک کتابی شکل میں اکٹھا کیا جائے، کشور ناہید اور عبد اللہ ملک نے ان کے حکم کی تعمیل کی اور اس پرچہ پر " حبس کے عالم میں پرندے مر جاتے ہیں " کے عنوان سے سنسر شپ سے پاس کروالیا، مگر بھٹو صاحب اس پرچے کو دیکھنے سے پہلے ہی پھانسی کے تخت تک جا پہنچے۔ اس کتابی پرچے پر لکھے جانے والے جملے کے معانی آزادی کا سلب کر لیا جانا ہے، ایک آزاد سوچ کے مالک شخص کو جب قید کر دیا جاتا ہے اس شخص کی سوچیں دم توڑنے لگتی ہیں اور اس کے خواب بھی ٹوٹنے لگتے ہیں۔ یہ سب یہ بھٹو کے ساتھ ہوا یہ اسی احوال کی نشاندہی کرتا ہے۔ آج وہ پرچہ مزاحمتی ادب کے حوالے سے دنیا بھر کی لائبریوں میں موجود ہے۔ " سنسر سے پاس کروایا اور ٹائٹل پر لکھ دیا، " حبس کے عالم میں پرندے بھی مر جاتے ہیں " حدیث کا لفظ پڑھ کر انہوں نے یہ بھی پاس کر دیا۔

کشور ناہید نے ایک گلوکارہ کو معاشرے میں درپیش مسائل اور دیے جانے والے مقام سے آگاہ کیا ہے۔ پاک وہ ہند کے سماج میں ایک گلوکارہ کو معاشرے میں عزت نہیں دی جاتی، بالخصوص ہمارا دیہی طبقہ گانے بجانے کے فن کو بے عزتی خیال کرتا ہے، یہی وجہ ہے کہ اقبال بانو، فریدہ خانم، نور جہاں اور مہناز ملک کی مشہور ترین گلوکارہ ہونے کے باوجود اپنی اہل خانہ کی طرف سے پریشان رہیں۔ اقبال بانو کو زندگی میں ان کے بیٹوں کی طرف سے دکھ ملا ان کی بیٹوں کے الفاظ کہ وہ ایک گانے والی کی اولاد نہیں کہلوانا چاہتے، ایک ماں کی زندگی میں اس سے بڑا کوئی دکھ نہیں ہو سکتا۔ کہ اس کی اولاد اس کے لیے نفرت کے جذبات رکھے۔

نور جہاں نے ساری زندگی گائکی کے فن سے اپنے بچوں کو پالا، مہناز نے گا کر اپنے بھائیوں کو ملک سے باہر بھجوایا۔ فریدہ خانم نے محض اپنی بچیوں کی شادی کی خاطر گائکی کے فن کو ترک کر دیا۔ زمانہ زماضی میں خواتین گلوکارہ

کو عزت کا مقام نہیں دیا جاتا تھا جب کہ آج کا پاک و ہند کا معاشرہ کافی حد تک بدل چکا ہے جہاں گلوکار کو سنگر کا نام دے کر اب اسے عزت و مرتبے کے مقام سے نوازا جاتا ہے، کچھ دیہی علاقوں کے پست خیالات کے مالک لوگ ابھی تک اس فن کو توہین آمیز فن خیال کرتے ہیں۔ دور جدید کا سماج دور قدیم کے سماج سے کافی حد تک مختلف نظر آتا ہے۔ غزل گانے کی روایت تقسیم ہند میں کوٹھوں سے ہوئی تھی شاید یہی وجہ ہے کہ ہمارے سماج کے بیشتر لوگ اسے اچھا پیشہ خیال نہیں کرتے۔

تربت جیسے کیچ بھی کہتے ہیں۔ وہاں پنوں کا بوسیدہ قلعہ بھی ہے۔ تاریخی طور پر نہیں معلوم کہ
پنوں وہاں کیسے پہنچ گیا۔ روایت یہ ہے کہ سسی اور پنوں دونوں اس میں دفن ہیں۔ [۴۹]

اسی باب میں کشور ناہید نے تربت (کیچ) کے مقام کا ذکر کیا ہے۔ جہاں سے سسی پنوں کی عشقیہ داستان نے جنم لیا تھا۔ یہ داستان عشق پاکستانی ثقافت میں بہت اہمیت رکھتی ہے۔ سسی پنوں کی عشقیہ داستاں سے آج کے دور کا بچہ بچہ واقف ہے۔ سسی پنوں کو کیچ کے مقام پر ایک بوسیدہ قلعے میں دفن کیا گیا ہے، یہاں یہ روایت بھی موجود ہے کہ دونوں کو ایک ہی قبر میں دفن کیا گیا ہے۔ کشور ناہید نے جس تربت (کیچ) کے مقام کا ذکر کیا ہے، یہ صوبہ بلوچستان کی ایک وادی ہے۔ جس کو بلوچستان کی تہذیب و ثقافت کا امین سمجھا جاتا ہے۔ [۵۰]

وادی کیچ کو پنوں کی سرزمین بھی کہا جاتا ہے کہ کیوں کہ اس سرزمین پنوں کا مزار واقع ہے۔ اس حوالے یہ روایت بھی سننے کو ملتی ہے کہ اس سرزمین پر کئی جنگیں لڑی گئی اور اس کے علاوہ اس وادی پر کئی قوموں نے حکمرانی کی۔ اس سرزمیں پر قدیم تاریخ اور تہذیب ثقافتی ورثوں کے آثار کا کھوج لگانا ابھی بھی باقی ہے۔ کشور ناہید وادی کیچ کے ایک ایسے قبیلے کا ذکر بھی کیا ہے جو پیر کے مزار کے اردگرد طواف کے طور پر چکر کاٹتے رہتے ہیں جو یہ سماں سارا سال رہتا ہے۔ مزارات کے گرد چکر کاٹنا کیچ کی اس قبیلے کی توہم پرستی، کم عقلی اور شعور کی کمی کی نشاندہی کرتا ہے۔

کشور ناہید پاکستان کی دو تاریخی مقامات کا موزانہ ہندوستان کی دو اہم تاریخی مقامات سے کرتیں ہیں۔ ان کے مطابق موہین جوڈارو اور ہڑپہ کے آثار دیکھتے ہی ہندوستانی مقامات اجنتا اور ایلورا کا گمان ہوتا ہے۔ ہڑپہ اور موہن جوڈارو سے تو قاری علم رکھتا ہے، مگر اجنتا اور ایلورا کے مقامات سے کشور ناہید کے قاری کی واقفیت نہیں ہو سکتی۔ جو ان تاریخی جملوں کو سمجھنے میں ابہام پیدا کر سکتی ہے۔ متن کے معانی و مفہوم کو سمجھنے کے لیے ان تاریخی مقامات کی تصویر قاری سے ذہین میں واضح ہونی چاہیے۔

"اجنتا" ہندوستان صوبہ مہاراشٹر کا تاریخی مقام ہے۔ جہاں پہاڑوں کی تراش خراش کے بعد مندر بنائے گئے، ان مندروں کی دیواروں پر ہندو مذہب کے دیوتا "گوتم بدھ" کی رنگین تصاویروں سے نقاشی کی گئی ہے۔ [۵۱] اسی طرح "ایلورا" بھی ہندوستان کی قدیم غاروں کے مقامات ہیں۔ جنہیں کشور ناہید نے موہن جوڈارو اور ہڑپہ کے تقابل

میں ان الفاظ کا استعمال کیا ہے۔ ہڑپہ کے کھنڈرات چیچہ وطنی کے مقام سے پہلے کھدائی کے دوران ملے۔ ہڑپہ کی تہذیب آج سے تین ہزار سال پرانی تاریخ ہے۔اس تہذیب کے تحریر کے نمونے غائب ہو چکے ہیں۔ موہن جوڈارو وادی سندھ کا ایک قدیم ترین تہذیبی مرکز تھا۔ جو ۱۷۰۰ قبل مسیح ختم ہو گیا تھا اس شعر کی تہذیبوں کو قدیم "مصر اور بین النہرین" کی تہذیبوں کا ہم عصر خیال کیا جاتا تھا۔ کشور ناہید اپنے اس لمحے کو یاد کرتی ہیں۔

> بنیظیر کی موت بھی عجب المناک سانحہ تھا۔میرے دفتر میں پینٹ ختم ہوا تھا۔عائشہ صدیقہ، طاہرہ عبداللہ اور بہت سے لوگ مٹھائی، سموسے سے لے کر خوشی منانے کے لیے، جمع تھے۔بے نظیر کے کامیاب جلسے پر بھی خوشی منا رہے تھے۔ایک دم اینکر پرسن کی گفتگو خاموشی میں تبدیل ہو گئی۔لرزتی ہوئی آواز میں کہا، "بینظیر کو گولی لگ گئی۔ [۵۲]

۲۷ دسمبر ۲۰۰۷ء کے دن جب بینظیر بھٹو کو گولی لگنے کی خبر کشور ناہید اور ان احباب تک پہنچی۔خوشی کا سماں اچانک سے غمی میں بدل گیا۔ وہ لمحہ نہ صرف کشور ناہید بلکہ پوری پاکستان کی عوام کے لیے بے یقینی اور بے چینی کا تھا۔ پورے ملک میں بینظیر کے زندگی اور سلامتی کی دعائیں مانگی جانے لگی، مگر بے نظیر بھٹو کی وفات کی خبر نے سارے ملک کی عوام کو ہلا کر رکھ دیا۔ کشور ناہید اور ان کے احباب زارو قطار ہونے لگے، نہ صرف کشور ناہید بلکہ اس ملک کے ہر شخص کی بینظیر بھٹو کے ساتھ جذباتی لگاؤ تھا۔ بے نظیر کا قتل روالپنڈی لیاقت باغ میں عوامی جلسے سے خطاب سے واپسی پر ہوا۔بے نظیر کی موت کا سن کر ہر آنکھ اشکبار تھی اور پورے ملک میں کرفیو نافذ کر دیا گیا۔ بے نظیر کا قتل پاکستان کی عوام کے لیے کوئی عام بات نہ تھی۔بے نظیر کی وفات کے بعد کشور ناہید نے نظیر بھٹو کے ساتھ گذرے ہوئے وقت کو یاد کرتی ہیں بے نظیر کے تقریر کے دوران اس کے دوپٹہ اوڑھنے کی نقل میں پورے یورپ کی خواتین میں سکارف مقبول ہونے لگا۔ بھٹو کی سالگرہ کے موقع پر اشعار سنانے کے بے نظیر منو بھائی اور کشور ناہید کو مدعو کرتیں۔بے نظیر کے قتل کا واقعہ ہر پاکستانی کے لیے دکھ بھرا لمحہ ہے۔

کشور ناہید نے اپنی ماں کی وفات کے بعد ان کی محبت اور ساتھ کا ذکر جس طرح کیا اس سے ایک ماں کی محبت سامنے آتی ہے۔ کشور ناہید کی اماں نے کبھی انھیں اپنے سینے سے نہ لگایا مگر وہ دل ہی دل میں کشور کے لیے دعا کیا کرتیں۔ماں کا رشتہ ہی قدرت کی طرف سے ایسا بنایا گیا ہے جو منھ سے چاہیے اپنی محبت کا اظہار نہ کرے اپنی دل اور آنکھوں میں اپنی اولاد کے لیے محبت لیے رکھتی ہے۔چاہیے ایک ماں اپنے بچوں سے کتنی ہی نالاں کیوں نہ ہو، اپنی اولاد کے لیے بد دعا کے الفاظ کبھی اپنی زبان پر نہیں لاتی۔ اس لیے اللہ پاک نے ماں کا درجہ بڑا بنایا ہے اور اس کے

قدموں میں جنت رکھ دی۔ کشور ناہید کی اماں ان کے طرز زندگی کو تسلیم نہ کرتیں مگر کشور ناہید کی محبت میں ان کا ساتھ دیتیں۔

کشور ناہید انہی اقتباسات میں اپنے بچوں سے اپنے تعلقات کا اظہار کرتیں وہ ہمیشہ ایک سخت گیر ماں کا رخ اپنے بچوں کو دیکھاتیں، جس کا انھوں نے اپنی اس یاداشت میں کیا، یوسف کامران کی وفات کی بعد کشور ناہید نے ماں اور باپ دونوں کی ذمہ داری سنبھالی اور ساتھ ساتھ ملازمت کو بھی جاری رکھا۔ بچوں کی محبت میں ان کی ہر غلطی کو معاف کرتیں تھیں۔ ان کے بڑے بیٹے اکثر کہا کرتے تھے "کہ جب اماں آپ مر جائیں گی ہم امیر ہو جائیں گے "[۵۳] کشور ناہید کی سرکاری نوکری کسی سرکاری ملازم کی وفات پر اس کے اہل خانہ کو ڈھیر سارا پیسہ دیا جاتا تھا۔ ان کی زندگی میں بظاہر سب کچھ ٹھیک تھا مگر پھر بھی کچھ ٹھیک نہ تھا۔

ایک عورت کے لیے معاشرے میں گھر بار دونوں کو سنبھالنا ہمت والا کام ہے۔ کشور ناہید اپنی آپ بیتی میں خود اس بات کا تذکرہ کرتی ہیں کہ جب بھی مرنے کا سوچا جائے مرنے کے بعد لگنے والی تہمتوں سے خوف آتا ہے اور زندہ رہوں تو صرف بچوں کی ڈیمانڈ پوری کروں۔ماں باپ کی ذمہ داری کبھی ختم نہیں ہوتی۔

کشور ناہید کی زندگی ان کے بچپن سے لے کر اب تک بہت سی داستانوں کا مجموعہ ہے۔ لیکن یہاں صرف ان حالات کا تذکرہ ملتا ہے جو ان کی دفتری زندگی میں ایک اہم مقام رکھتے ہیں۔ اس کتاب کے بہت سے واقعات کا بیانیہ، کشور ناہید کے پیغامات کو قاری تک پہنچانے میں مدد کرتا ہے۔

ماحصل

حوالہ جات

۱۔ کشور ناہید،کشور ناہید کی نوٹ بک(اسلام آباد:سنگ میل پبلی کیشنز،۲۰۱۴ء)،ص۹۔

۲۔ ایضاً،ص۹۔

۳۔ ایضاً،ص۱۲۔

۴۔ ایضاً،ص۱۰۔

۵۔ ایضاً،ص۱۳۔

۶۔ ایضاً،ص۱۳۔

۷۔ ایضاً،ص۱۷۔

۸۔ ایضاً،ص۱۸۔

۹۔ ایضاً،ص۱۹۔

۱۰۔ ایضاً،ص۲۳۔

۱۱۔ http://www.ejaznews.com،شاہین ملک، بپسی سدھوا: پاکستانی نژاد انگریزی ناول نگار،
بتاریخ ۲۰ مئی ۲۰۲۱ء، بوقت ۱۱:۰۰ بجے۔

۱۲۔ کشور ناہید،کشور ناہید کی نوٹ بک ،ص۲۶۔

۱۳۔ ایضاً،ص۲۸۔

۱۴۔ ایضاً،ص۲۸۔

۱۵۔ محمد اسحاق جلالپوری،درسی اردو لغت(اسلام آباد: مقتدرہ قومی زبان پاکستان،۲۰۱۲ء)،ص۱۰۴۰۔

۱۶۔ amp.dw، چینی ثقافتی انقلاب، بتاریخ ۱۲ جون ۲۰۲۱ء، بوقت ۶:۰۰ بجے۔

۱۷۔ کشور ناہید،کشور ناہید کی نوٹ بک،ص۲۹۔

۱۸۔ ایضاً،ص۲۹۔

۱۹۔ https://dunya.com.pk، اسپیشل فیچرز: اسلامک سمٹ مینار، بتاریخ ۱۴ اکتوبر ۲۰۲۱ء، بوقت ۵:۰۰ بجے۔

۲۰۔ کشور ناہید، کشور ناہید کی نوٹ بک، ص ۳۰۔

۲۱۔ www.humsub.com، اقبال فیروز "اختر شیرانی کی سلمیٰ اور دیدار سنگھ پردیسی"، بتاریخ ۱۴ اکتوبر ۲۰۲۱ء، بوقت ۸:۰۰ بجے۔

۲۲۔ کشور ناہید، کشور ناہید کی نوٹ بک، صفحہ نمبر ۲۲۔

۲۳۔ www.humsub.com، شائستہ مومن "گم گشتہ ستارا: کولن ڈیوڈ"، بتاریخ ۵ ستمبر ۲۰۲۱ء، بوقت ۲:۰۰ بجے۔

۲۴۔ کشور ناہید، کشور ناہید کی نوٹ بک، ص ۳۲۔

۲۵۔ ایضاً، ص ۳۷۔

۲۶۔ ایضاً، ص ۳۴۔

۲۷۔ ایضاً، ص ۳۵۔

۲۸۔ ایضاً، ص ۳۸۔

۲۹۔ ایضاً، ص ۵۵۔

۳۰۔ ایضاً، ص ۵۴۔

۳۱۔ ایضاً، ص ۵۴۔

۳۲۔ ایضاً، ص ۵۴۔

۳۳۔ ایضاً، ص ۵۷۔

۳۴۔ ایضاً، ص ۵۷۔

۳۵۔ ایضاً، ص ۵۸۔

۳۶۔ m.facebook.com، تیری موہنی صورت، بتاریخ ۲۰ نومبر ۲۰۲۱ء، بوقت ۱۰:۰۰ بجے۔

۳۷۔ کشور ناہید، کشور ناہید کی نوٹ بک، ص ۵۸۔

۳۸۔ ایضاً، ص ۵۳۔

۳۹۔ ایضاً، ص ۶۹۔

۴۰۔ ایضاً، ص ۵۰۔

۴۱۔ www.urdunews.com، آبی گزر گاہ نہر سویز کی اہمیت اور تاریخ کیا ہے؟، بتاریخ ۲۶ نومبر ۲۰۲۱ء، بوقت ۱۰:۰۰ بجے۔
۴۲۔ علامہ محمد اقبال، کلیات اقبال، (اسلام آباد: نیشنل بک فاؤنڈیشن، 2015) ص۔
۴۳۔ کشور ناہید، کشور ناہید کی نوٹ بک، ص ۶۵۔
۴۴۔ ایضاً، ص ۶۶۔
۴۵۔ www.bbc.com، پومپئے آثار قدیمہ، بتاریخ ۲۱ نومبر ۲۰۲۱ء، بوقت ۱۱:۰۰ بجے۔
۴۶۔ کشور ناہید، کشور ناہید کی نوٹ بک، ص ۶۲۔
۴۷۔ Dunya.com.pk، مونالیزا مشہور کیوں ہے؟، بتاریخ ۱۰ دسمبر ۲۰۲۱ء، بوقت ۱۱:۰۰ بجے۔
۴۸۔ کشور ناہید، کشور ناہید کی نوٹ بک، ص ۷۳۔
۴۹۔ ایضاً، ص ۷۵۔
۵۰۔ https://ur.m.wikipedia.org، تربت۔ آزاد دائرہ المعارف، بتاریخ ۱۰ دسمبر ۲۰۲۱ء، بوقت ۱۰:۰۰ بجے۔
۵۱۔ کشور ناہید، کشور ناہید کی نوٹ بک، ص ۷۵۔
۵۲۔ www.lafzuna.com، اجنتا کے غار، بتاریخ ۶ جنوری ۲۰۲۲ء، بوقت ۱۲:۰۰ بجے۔
۵۳۔ کشور ناہید، کشور ناہید کی نوٹ بک، ص ۸۱۔

ماحصل

زیر نظر تحقیقی مقالہ "کشور ناہید کی نوٹ بک" کے تنقیدی تجزیے کلامیہ پر مبنی تھا۔ اس مقصد کے حصول کے لیے ایک امریکی ماہرین لسانیات ڈیبورا اشفرن (Deborah Schiffriz) کے نظریاتی ماڈل سے مدد لی گئی۔ ڈیبورا اشفرن کے ماڈل کے مطابق اس نوٹ بک کا لسانی، غیر لسانی اور تجربی تنقیدی تجزیہ کیا گیا۔ زبان کے رسمی لسانی تجزیے میں الفاظ کا مائیکرو اینالسز کر کے ہر لفظ کے ٹھیک ٹھیک معانی تک رسائی حاصل کرنے کی کوشش کی گئی، تجربی تنقیدی تجزیے میں کشور ناہید کی استعمال کی گئی زبان اور جن سماجی سرگرمیوں کا وہ حصہ رہیں ان کا بیان شامل ہے۔

زیر نظر تحقیقی مقالے کو چار ابواب میں تقسیم کی گیا ہے۔ اس مقالے کے پہلے باب میں تنقیدی تجزیہ کلامیہ کے نظریاتی مباحث اور تفہیم کا بیان ملتا ہے۔ اس کے علاوہ مختلف مغربی اور مشرقی ماہرین لسانیات کے نظریات کا بیان بھی ملتا ہے، مغربی مفکرین نے لسانیات کے اس نظریے کو کرہ ارض پر ہتھیار کی طرح استعمال کیا ہے۔ اس نظریے کا بنیادی مقصد زبان اور اس کے تخلیقی اظہار پر مبنی ہوتا ہے۔ نیز باب اول میں ہی لفظ ڈسکورس کے لیے اردو ادب میں استعمال کی جانے والی مختلف اصطلاحوں پر بحث بھی ملتی ہے۔

تحقیقی مقالے کا دوسرا باب زیر تحقیق کتاب "کشور ناہید کی نوٹ بک" اور اس کی مصنفہ کشور ناہید کے تعارفی مطالعے پر شامل ہے۔ کشور ناہید ادبی دنیا میں ایک شاعرہ، نثر نگار اور سماجی کارکن کی حیثیت سے جانی پہچانی جاتی ہیں۔ ان کی شہرت نہ صرف پاکستان کے ادبی حلقوں میں ہے۔ بلکہ ہندوستان کے ادبی حلقوں میں بھی ان کی اہمیت کچھ کم نہیں ہے، ادبی دنیا کے ساتھ ساتھ آپ کی نگاہ ملک کے سیاسی اور سماجی حالات پر بھی بڑی گہری ہے۔ ان کی اس مختصر ڈائری 'کشور ناہید کی نوٹ بک" میں کشور ناہید کی ذاتی، دفتری اور سیاسی واقعات کا بیان بھی بھرپور انداز میں ملتا ہے۔

تحقیقی مقالے کا باب نمبر تین آپ بیتی "کشور ناہید کی نوٹ بک" کے لسانی وغیر لسانی تجزیہ کلامیہ پر مبنی ہے۔ کشور ناہید زبان کے استعمال سے کس قسم کا ڈسکورس پیش کرتی ہیں، کسی بھی متن میں کس طرح کے الفاظ کا استعمال کیا

گیاہے، متن میں استعمال کیے جانے والے جملوں کی نوعیت کیا ہے ؟۔ لفظوں کا متنی اتصال اور متن میں استعمال ہونے والے الفاظ کے پوشیدہ معنوں تک رسائی اور متن کا تسلسل معقول / ہم اہنگی کی تلاش شامل ہے۔

لسانی مطالعہ زبان کے قواعدی مطالعے پر مبنی ہے۔ جب کہ غیر لسانی مطالعہ کا تجزیہ ان سماجی سرگرمیوں سے متعلق ہے۔ جن کا تعلق تحریر یا تقریر میں لکھی ہوئی یا کہی ہوئی بات سے نہیں بلکہ اس خاص ماحول سے ہے جس ماحول میں وہ مقرر یا لکھاری بات کرتا ہے۔

زیر نظر تحقیقی مقالے میں "کشور ناہید کی نوٹ بک" کے تجربی تنقیدی تجزیہ کلامیہ کا مطالعہ کیا گیا ہے۔ مصنفہ کی اس ڈائری میں استعمال کی جانے والی زبان اور ان سماجی سرگرمیوں کا تجزیہ کیا گیا ہے جن کے پیش نظر وہ زبان لکھی گئی۔ کشور ناہید کی آپ بیتی کی متنی پیش کش کا دورانیہ، پس منظر کا مطالعہ اور کشور ناہید کن افکار و نظریات کی ترویج کرتی ہیں کا تجزیہ شامل ہے۔

"کشور ناہید کی نوٹ بک" ان کی یاداشتوں کا مجموعہ ہے، جہاں ان کے خیالات لمحہ بہ لمحہ تبدیل ہوتے رہتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ اس پوری نوٹ بک میں اقتباسات میں کہیں کہیں اتصال اور ہم آہنگی نظر نہیں آتی۔ جس سے کشور ناہید کا قاری ابہام کا شکار ہو جاتا ہے۔ ڈیبورا اشفرن کے نظریاتی ڈھانچے کے اہم نکات لسانی، غیر لسانی اور تجربی عناصر باب نمبر ۳ اور ۴ میں تفصیلا بیان کے گئے ہیں،

"کشور ناہید کی نوٹ بک" کا تجزیہ کسی بھی زبان کے الفاظ، فقرات اور جملوں کی جانچ لسانی اور غیر لسانی سطح پر کیا گیا۔ اس نوٹ بک پر کی گئی تمام تحقیق کے مطابق یہ بات واضح ہوتی ہے کہ کسی بھی زبان کے لسانی اور غیر لسانی عناصر کسی متن کی معنویت میں اضافہ کرتے ہیں، کسی بھی زبان میں موجود مرکبات اور فقرات چھوٹی اکائیوں سے جڑ کر بڑی اکائیوں کی تشکیل میں اپنا اہم کردار ادا کرتے ہیں اور اسی عمل کو کلامیہ کا نام دیا جاتا ہے۔

کشور ناہید کی یہ خوبی ہے کہ وہ مختصر جملے میں اپنی پوری بات بیان کر دیتی ہیں، اس خودنوشت کا طرز تحریر بھی کچھ اس طرح کا ہے جہاں کئی مقامات پر مختصر جملے سے پوری بات کی وضاحت کر دی گئی ہے، اس نوٹ بک میں اکثر سیاسی شخصیات کے منہ سے نکلے ہوئے جملے من و عن بیان کرتی ہیں جو ان کے بہترین قوت حافظہ کی عکاسی کرتے ہیں اور اس کے ساتھ ساتھ آپ بیتی میں ان کا بیان واقعات کی نوعیت کو سمجھنے میں مدد دیتے ہیں۔

اس نوٹ بک میں موجود لسانی عناصر (محاورات کا استعمال، دوسری زبانوں کے الفاظ، دفتری اصطلاحات، سیاسی اصطلاحات،، ایک ہی کیٹگری سے تعلق رکھنے والے الفاظ، تانیثیت پسند الفاظ، جملوں کی نوعیت، نحوی اور اسلوبیاتی معانی) کا استعمال اس نوٹ بک کو معانی پہنانے میں اہم کردار ادا کر رہے ہیں۔ غیر لسانیاتی عناصر (لباس، چہرے تاثرات، ہاتھوں، پاؤں اور ٹانگوں کی حرکات و سکنات، ذرائع آمد و رفت کا استعمال، ادا کی جانے والی

سرگرمیاں وغیرہ)ان کی نوٹ بک کی معنویت میں اضافہ کرتے ہیں۔ غیر لسانی عناصر کی منظر کشی جس انداز میں کی گئی۔وہ اس بات کا ثبوت ہے کہ لکھاری اپنی بات کی پیش کش میں مہارت رکھتا ہے۔

اس نوٹ بک کا تجربی تنقیدی تجزیہ زبان، ثقافت، الفاظ کا بیک گراؤنڈ اور سماج کے مطالعے پر مبنی تھا، کشور ناہید کا تعلق جس سماج سے ہے وہ پاکستان کا سماج ہے ہماری تہذیب و ثقافت میں اسلامی رنگ نمایاں ہے۔ کشور ناہید کا قاری پاک و ہند کی ریاستوں سے تعلق رکھتا ہے، اس لحاظ سے ان کے قاری دو الگ تہذیب و ثقافت سے تعلق رکھتے ہیں، مگر پاک و ہند کی سماجی طرز معاشرت میں اشتراک بھی پایا جاتا ہے۔

کشور ناہید کی اس نوٹ بک میں مختلف مقامات، تقریبات اور ملکوں کی تاریخ سے وابستہ الفاظ و تراکیب کا استعمال بھی کیا گیا ہے، مگر ایک عام قاری اس کے پس منظر سے لاعلم ہونے کے باعث متن کا مطلب نہیں سمجھ سکتا۔ لہٰذا متن کے معانی تک رسائی کے لیے ان واقعات کو قوسین میں بیان کیا جانا چاہیے جس سے قاری کو واقعات کے پس منظر جاننے کا موقع ملے گا۔

اس کتاب کا طرز تحریر سادہ اور دلچسپ دونوں قسم کے الفاظ پر مشتمل ہے، ان کی تحریر میں مختلف نوعیت کے جملے (سوالیہ، جوابیہ، استعجابیہ وغیرہ) ملتے ہیں۔ یہ نوٹ بک پڑھنے والے قاری کو ماضی، حال اور مستقبل تینوں ادوار سے گزارتی ہے، کیوں کہ اس آپ بیتی میں زمانہ حال، مستقبل اور ماضی تینوں قسم کے جملوں کا اظہار ملتا ہے۔ زمانہ ماضی کے جملے ان کی ماضی کی کوششوں کو، زمانہ حال کے جملے ان کے مقاصد اور زمانہ مستقبل کے جملے ان کے وژن کی نمائندگی کرتے ہیں۔ اس نوٹ بک میں بعض مقامات پر سادہ اور بعض مقامات پر پیچیدہ جملے ملتے ہیں۔ کشور ناہید کے استعمال کیے ہوئے سادہ جملے اس بات کی نشاندہی کرتے ہیں کہ کشور ناہید کی توجہ بالواسطہ اپنے قاری کی جانب ہے۔ پیچیدہ جملوں کا استعمال کشور ناہید کی خامی نہیں، بلکہ اس بات کا عکاس ہے کہ کشور ناہید اپنی زبان و بیان کا استعمال خوب جانتی ہیں۔ وہ اپنے الفاظ سے اپنے قاری کو مدعو کرتی ہیں۔

دور حاضر میں سماج اور کلامیہ ایک دوسرے کی تشکیل کے ذمہ دار ہیں، ہمارے سماج میں کلامیہ زبان کی صورت میں نظر آتا ہے، کشور ناہید کی نوٹ بک سماجی، سیاسی، ذاتی اور دفتری زندگی کا ڈسکورس پیش کرتی ہے۔

کتابیات

کتابیات

اردولغت(تاریخی اصول پر)۔کراچی اردوڈکشنری بورڈ،۱۹۸۳ء۔

جلالپوری، محمد اسحاق۔درسی اردو لغت۔اسلام آباد:مقتدرہ قومی زبان،۲۰۱۲ء۔

جین، گیان چند۔ عام لسانیات ۔ نئی دہلی:ترقی اردو بیورو،۱۹۸۵ء۔

حنا،زاہدہ۔کشور ناہید؛ وہ حوصلہ ہے جسے زندہ رہنا چاہیے۔ایکسپریس اردوویب سائٹس،۲۰۰۲ء۔

حیدر، قراۃالعین۔گردش رنگ چمن۔دہلی:ایجوکیشنل پبلشنگ ہاؤس،۱۹۸۸ء۔

رشید،ہارون۔کشور ناہید کی نوٹ بک۔اسلام آباد:بی بی سی اردوڈاٹ کام،۲۰۱۴ء۔

زور، محی الدین قادری۔ہندستانی لسانیات۔لکھنو:شاہی پریس،۱۹۴۰ء

سرفراز،رابعہ۔ لسانیات ۔۔تعارف و اہمیت ۔فیصل آباد: گورنمنٹ کالج یونی ورسٹی،۲۰۱۸ء۔

سعید،طارق۔اسلوب اور اسلوبیات۔لاہور:نگارشات پبلشرز،۱۹۹۸ء۔

صباء،ارم۔اردو شاعرات کی نظموں میں مزاحمتی عناصر۔اسلام آباد:شعبہ اردو،وفاقی یونی ورسٹی،۲۰۱٦ء۔

صدیقی،ایس اے۔ادب اور لسانیات ۔بھوپال:ادراہ اشاعت اردو،۱۹۷٦ء۔

صدیقی، کمال احمد۔فرہنگ اصطلاحات ۔نئی دہلی:ترقی اردوبیورو،۱۹۸۷ء۔

عابد علی عابد۔اسلوب ۔لاہور:سنگ میل پبلی کیشنز،۲۰۱۱ء۔

عابد علی عابد۔اسلوب۔لاہور: مجلس ترقی ادب،۱۹۹٦ء۔

عبدالحق، مولوی۔دی سٹینڈرانگلش اردو ڈکشنری۔دہلی:انجمن ترقی اردو۔۱۹۹۴ء۔

فاتحی، علی آر۔تجزیہ کلامیہ۔دہلی:جواہر لعل نہرو یونی ورسٹی،۲۰۰۳ء۔

قاسمی،احمد ندیم۔معنی کی تلاش۔لاہور:طیبہ پرنٹرز چیمبرسن روڈ،۲۰۰۳ء۔

کھو، ریاض احمد۔بیانیہ تعریف وتو ضیح۔سری نگر:شعبہ اردوکشمیریونی ورسٹی۔۲۰۱۵ء۔

کمال، محمد اشرف۔لسانیات اور زبان کی تشکیل ۔فیصل آباد:مثال پبلیشرز۔سن ندارد
مجاز، اسرار الحق۔کلیات مجاز۔لاہور:کتابی سن اشاعت، ۲۰۰۲ء۔
نارنگ، گوپی چند۔اردو زبان لسانیات۔لاہور:سنگ میل پبلی کیشنز، ۲۰۰۷ء۔
ناہید، کشور۔لیلی ' و خالد۔لاہور:سنگ میل پبلی کیشنز، ۱۹۹۰ء۔
ناہید، کشور۔بے نام مسافت۔لاہور:سنگ، پبلی کیشنز، ۱۹۹۱ء۔
ناہید، کشور۔میں پہلے جنم میں رات تھی۔لاہور:سنگ میل پبلی کیشنز، ۱۹۹۸ء۔
ناہید، کشور۔سوختہ سامانی دل۔لاہور:سنگ میل پبلیکیشنز، ۲۰۰۲ء۔
نوری، عطاالرحمن۔علم لسانیات اور لسانیات کی تعریف۔نوری اکیڈمی۔ڈاٹ کام، سن ندارد

ویب سائٹس:

www.idrisazad.com/DiscourseAnalysisادریس آزاد، بتاریخ ۱۴ اکتوبر ۲۰۲۰ء۔
www.punjnud.com، مرزا خلیل احمد بیگ "تجزیہ کلامیہ: مسائل اور مباحث" ، بتاریخ ۱۲ فروری ۲۰۲۱ء۔
http://www.urdulinks.com، ابو شہیم خان" ایک تہذیبی اور لسانی مفاہمہ" ، بتاریخ یکم ستمبر ۲۰۱۶ء
https://youtu.be/mb.C8pG48، سجاد احمد، "کریٹیکل ڈسکورس اینالسز"، بتاریخ ۲۴ اگست ۲۰۲۰ء۔
http://topicexpress.com، پرویز ساحر "تجزیہ کلامیہ مسائل و مباحث مرزا"، بتاریخ ۱۲ فروری ۲۰۲۲ء۔
www.punjnud.com، مرزا خلیل احمد بیگ "تجزیہ کلامیہ: مسائل و مباحث"، بتاریخ ۱۲ فروری ۲۰۲۲ء۔
http://ur.m.wikipedia.org، علم الانساب آزاد دائرہ المعارف وکی پیڈیا، بتاریخ ۴ مارچ ۲۰۲۲ء ۔
www.idrisazad.com، ادریس آزاد، "ڈسکورس اینالسز"، بتاریخ ۱۴ اکتوبر ۲۰۲۱ء۔
www.talimizaviya.com.pk، ناصر عباس نیر، مشل فوکو اور ڈسکورس کی تشکیل،، بتاریخ ۲ مئی ۲۰۲۱ء ۔
http://awaz.e.dost.blogspot.com، ڈسکورس یا کلامیہ،، بتاریخ ۱۷ ستمبر ۲۰۲۱ء۔

www.punjad.com، مرزا خلیل احمد بیگ "تجزیہ کلامیہ: مسائل و مباحث،، بتاریخ ۱۲ فروری ۲۰۲۲ء۔
https:\\ur.m.wikipedia.org، نوام چومسکی (Noam Chomsky)، بتاریخ ۱۰ جون ۲۰۲۱ء۔
https://youtu.be/mb.C8p2OG48، سجاد احمد "کریٹیکل ڈسکورس اینالسز"، بتاریخ ۲۴ اگست ۲۰۲۱ء۔
https//ur.dietzelmotel.com، سائنس "اسپیچ ایکٹ تھیوری"، بتاریخ ۲۴ اگست ۲۰۲۱ء۔
http://www.taemeernews.com، اصغر ندیم سید "کشور ناہید زمین کی بیٹی کی تصویر" بتاریخ ۵ فروری ۲۰۲۱ء۔
http://nayadaur.tv، زمان خان "کشور ناہید سے کچھ باتیں"، بتاریخ ۲۰ نومبر ۲۰۲۱ء۔
https://tehreemtariq.wordpress.com، ارتقاء حیات "کشور ناہید"، بتاریخ ۱۵ ستمبر ۲۰۲۱ء۔
http://ur.m.wikipedia.org، آزاد دائرہ المعارف "کشور ناہید"، بتاریخ ۱۵ دسمبر ۲۰۲۱ء۔
http://penslipsmagzine.com، کشور ناہید "عورت کہاں غائب رہی، بتاریخ ۱۱ اگست ۲۰۲۱ء۔
http://penslipsmagzine.com، کشور ناہید "عورت کہاں غائب رہی"، بتاریخ ۱۲ اگست ۲۰۲۱ء۔
http://www.urdulinks.com، سید وجاہت مظہر "خودنوشت سوانح نگاری کا نسائی زاویہ بری عورت کی کتھا، بتاریخ یکم جولائی ۲۰۲۱ء۔
www.mukalama .com، خالد مسعود "چھین لے مجھ سے حافظہ میرا"،، بتاریخ ۲۰ اگست ۲۰۲۱ء۔
www.deedbanmagzine.com، قاسم یعقوب "تانیثی تھیوری اور اردو نظم"، بتاریخ ۵ نومبر ۲۰۲۰ء۔
www.urdulinks.com، اردو ریسرچ جنرل "تانیثیت چند مباحث"، بتاریخ ۱۰ جون ۲۰۲۰ء۔
http://ur.m.wikipedia.org، کشور ناہید، آزاد دائرہ المعارف، بتاریخ ۱۰ جون ۲۰۲۰ء۔
www.duniya.com.pk، یوسف عالمگیر "کشور ناہید (دبنگ عورت)، بتاریخ ۱۸ اکتوبر ۲۰۲۰ء۔
www.urdulinks.com، ریسرچ جنرل "تانیثیت: نظریات، مغربی تناظرات"، بتاریخ ۸ اکتوبر ۲۰۲۰ء
Rekhtadicitionary.com، لوک ورثہ کے معانی، بتاریخ ۱۲ اپریل ۲۰۲۱ء۔
www.humsub.com، تنویر ملک "لفظ مراثی اور ہمارا سماج"، بتاریخ ۱۲ اپریل ۲۰۲۱ء۔
Ur.m.wikipedia.org، جان راک قبلر، بتاریخ ۱۳ اپریل ۲۰۲۱ء۔

www.bbc.com، پومپائی آثار قدیمہ، بتاریخ ۲۰ اپریل ۲۰۲۱ء، بوقت ۱۱:۳۰ بجے۔

http://www.ejaznews.com، شاہین ملک، پیسی سدھوا: پاکستانی نژاد انگریزی ناول نگار، بتاریخ ۲۰ مئی ۲۰۲۱ء۔

https://dunya.com.pk، اسپیشل فیچرز: اسلامک سمٹ مینار، بتاریخ ۱۴ اکتوبر ۲۰۲۱ء۔

www.humsub.com، اقبال فیروز "اختر شیرانی کی سلمیٰ اور دیدار سنگھ پردیسی"، بتاریخ ۱۴ اکتوبر ۲۰۲۱ء۔

www.humsub.com، شائستہ مومن "گم گشتہ ستارا: کولن ڈیوڈ"، بتاریخ ۵ ستمبر ۲۰۲۱ء۔

m.facebook.com، تیری موہنی صورت، بتاریخ ۲۰ نومبر ۲۰۲۱ء۔

www.urdunews.com، آبی گزر گاہ نہر سویز کی اہمیت اور تاریخ کیا ہے؟، بتاریخ ۲۶ نومبر ۲۰۲۱ء۔

www.bbc.com، پومپیئے آثار قدیمہ، بتاریخ ۲۱ نومبر ۲۰۲۱ء۔

Dunya.com.pk، مونالیزا مشہور کیوں ہے؟، بتاریخ ۱۰ دسمبر ۲۰۲۱ء۔

https://ur.m.wikipedia.org، تربت۔ آزاد دائرہ المعارف، بتاریخ ۱۰ دسمبر ۲۰۲۱ء۔

www.lafzuna.com، اجنتا کے غار، بتاریخ ۶ جنوری ۲۰۲۲ء۔

International Islamic Univ
CENTRAL
LIBRARY
ISLAMABAD.